سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے
نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو انداز آفاقی

ماہنامہ

آفاق

نندیال

ایڈیٹر
سید عبدالستار عرشی

14 JUN 1947

دفتر رسالہ آفاق نندیال ضلع کرنول

سرپرست ومعاونین

۱۔ عالیجناب "خان بہادر" افضل العلما علامہ ڈاکٹر محمد عبدالحق صاحب مدظلہٗ
ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (لندن) ڈپٹی ڈائرکٹر مفاد عامہ مدراس

۲۔ عالیجناب الحاج ایس۔ ایم عبدالجمیل صاحب رئیس میلوشارم (مدراس) وصدر انجمن ترقی اردو میلوشارم

۳۔ عالیجناب الحاج۔ ٹی۔ ایم۔ عزیزاللہ صاحب عزیز (جنرل مرچنٹ) مدیر "فانوس" بنگلور

۴۔ عالیجناب نواب طلعت اللہ خان صاحب نواب رئیس کرنول صدر مسلم لیگ کرنول ٹون، وصدر بزم اقبال کرنول

۵۔ عالیجناب مولوی قاضی کریم الدین صاحب زعیم قاضی نندیال و سرپرست "بزم سخن" نندیال

۶۔ عالیجناب ساہوکار حاجی۔ محمد ابراہیم صاحب خلیل۔ صدر ضلع مسلم لیگ کرنول (نندیال)
وممبر آل انڈیا مسلم لیگ کونسل وممبر آندھرا پارلیمنٹری بورڈ

۷۔ عالیجناب سید میاں صاحب میاں۔ معتمد ضلع مسلم لیگ کرنول (نندیال) مالک ٹیکرہ بیڑی فیکٹری نندیال

۸۔ عالیجناب ایم عبداللہ صاحب۔ بس اونر و ڈائرکٹر اشرف ٹرانسپورٹ لمیٹڈ نندیال۔ و نائب صدر انجمن اسلامیہ نندیال

۹۔ عالیجناب ایم۔ محبوب بیگ صاحب رئیس مارکاپور (ضلع کرنول)

۱۰۔ عالیجناب شیخ غلام رسول صاحب۔ اردو اسسٹنٹ لکچرار آندھرا یونیورسٹی چامبرم (ساؤتھ آرکاٹ)

[illegible] کا علمی، ادبی اور مذہبی رسالہ

ماہنامہ آفاق نندیال

سالانہ قیمت پانچ روپیہ

ایڈیٹر:۔ سید عبدالستار عرشی

فی پرچہ آٹھ آنے

جلد   نمبر ۲

فہرست مضامین بابت ماہ جون ۱۹۴۷ء

حسنِ تغزل

از حضرت مولانا محوی صدیقی لکھنوی مدظلہ

کیوں وقفِ الم ہوتا، کیوں نذرِ جفا ہوتا — یارب مجھے قسمت نے بیکس نہ کیا ہوتا
یوں حسن کی دنیا میں رسوا نہ ہوا ہوتا — یہ ذوقِ نظر یارب مجھ کو نہ عطا ہوتا
چپ رہنے پہ اس دل کے زخموں کا یہ عالم ہے — اک آہ اگر کرتا، کیا جانیے کیا ہوتا
اب کیوں ہے پشیمانی اب رونے سے کیا حاصل — پہلے ہی ستم کش پر کچھ رحم کیا ہوتا
اللہ رے آرائش، اُف رے تری رنگینی! — وہ کل کا ترا وعدہ کاش آج وفا ہوتا
ہے روح کو بے تابی، ہے قلب کو بے چینی — تیر اس نے جو چھوڑا تھا یارب نہ خطا ہوتا
پھر فکر دوا کرتے اے چارہ گرو پہلے — ناسور ہے جو دل میں وہ دیکھ لیا ہوتا
اللہ یہ محفل میں ہر ایک سے سرگوشی! — کاش اس ستم آرا کو کچھ پاسِ وفا ہوتا
تم عیش کی دنیا ہو، میں یاس کا عالم ہوں — احساس مرے غم کا سچ ہے تمہیں کیا ہوتا

اس عشق میں مرنے پر ہے ناز مجھے محوی
سو بار میں پھر مرتا، گر مر کے جیا ہوتا

فکرِ آفاق

آج سے چند صدی پہلے جنوبی ہند علم وفن کا مرکز اور شعر وسخن کا سرچشمہ تھا۔ ملک کے گوشے گوشے میں باکمال شاعر اور ادیب خدمتِ علم وادب میں مصروف تھے سلاطین بیجاپور و گولکنڈہ کے عہدِ حکومت میں اہلِ کمال کی دکن میں بہت قدر و منزلت تھی۔ ان کی علمی کاوشوں اور ادبی خدمتوں کا انھیں پورا پورا صلہ دیا جاتا تھا اور ان کے ہنر کی خوب دل کھول کر داد دی جاتی تھی۔ قطب شاہی اور عادل شاہی حکومتیں شعر و ادب کی سرپرستی میں بے انتہا فیاضی دکھا رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے ایران اور ہندوستان کے بڑے بڑے باکمال شاعر (مثلاً ملاّ ظہوری اور شیخ آذری وغیرہ) دکن کا رخ کرتے تھے اور پھر واپس ہونے کا نام نہیں لیتے تھے۔

حکومت کی ان فیاضیوں سے اہلِ علم نہایت مطمئن اور خوشحال تھے۔ سکون واطمینان سے علمی خدمت میں مشغول تھے۔ ملک میں خوشحالی اور امن و امان کا دور دورہ تھا اس زمانے میں دکن میں بڑے بڑے باکمال شاعر اور اہلِ علم پیدا ہوئے اور اپنے علم وفضل سے لوگوں کو بہت فیض پہنچایا۔ صوفیا اور اولیاءِ کرام نے تو دکن میں علم وادب کی بہت بڑی بڑی خدمتیں کی ہیں۔ ان کی زندگیوں کا مقصد تبلیغ اسلام تھا۔ اور وہ زیادہ تر عام لوگوں میں تبلیغ کرتے تھے۔ اس لئے ان کو عوام کی زبان ہی میں اپنے خیالات کو ظاہر کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ انھوں نے ملک کی عام زبان دکھنی کو اپنی تبلیغ کا ذریعہ بنالیا اور اپنے عقائد وخیالات کا پرچار اسی میں کرنے لگے۔

زبانی وعظ ونصیحت کے علاوہ اپنے عقیدت مندوں اور مریدوں کی فرمائش پر ان کی ہدایت کے لئے ان بزرگوں نے دکھنی زبان میں چھوٹے چھوٹے رسالے اور کتابیں لکھی ہیں جو آج تک محفوظ ہیں اور کئی بار طبع ہوچکی ہیں۔ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی کتاب "معراج العاشقین" اور حضرت شیخ عین الدین گنج العلم کے ملفوظات تو بہت مشہور ہیں۔

صوفیائے اکرام کے علاوہ بے شمار شعراء اور اہلِ قلم ملک کے ہر حصے میں پیدا ہوتے تھے اور اپنے کمال سے ملک وقوم کو فائدہ پہنچاتے اور علم وادب کو ترقی دیتے تھے۔

وجدی کرنولی۔ کمال کڑپوی۔ ولی اورنگ آبادی۔ ولی ویلوری۔ محمود بحری گوگوی، عاجز دکنی۔ ابن نشاطی۔ سراج اورنگ آبادی۔ قلی قطب شاہ۔ برہان الدین شاہ جانم۔ طرب اور کرامانی میسوری وغیرہ نے نظم و نثر میں قابلِ قدر تصنیفیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں اور علم وادب کی نہایت مفید خدمتیں انجام دی ہیں،

وجدی کرنولی کی مثنوی جانفزا، پنچھی نامہ اور تحفۂ عاشقاں بہت مشہور مثنویاں ہیں۔ جو نہایت قابلِ قدر ہیں۔ شاہ کمال الدین کمال کڑپوی کا ضخیم دیوان موجود ہے۔ کمالاتِ کمالیہ تصوف میں ان کی نہایت بلند پایہ تصنیف ہے۔ انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ شمارے میں کمال کی شاعری اور نثر نگاری وغیرہ پر سخاوت مرزا بی اے کا ایک نہایت مفید مقالہ درج کیا جائے گا۔

ولی اورنگ آبادی کا دیوان تو شہرۂ آفاق ہے۔

محمود بحری کی مثنوی من لگن تصوف کی بہت مشہور کتاب ہے جو اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں لکھی گئی ہے۔ اور چھپ چکی ہے۔ ڈاکٹر محمد حفیظ سید ایم اے الہ آباد یونیورسٹی نے کلیاتِ بحری کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ جو بحری کے متعلق نہایت مستند

کتاب ہے۔

ان کے علاوہ فآجو کی مثنوی قصۂ فیروز شاہ، قصۂ لعل و گوہر، قصۂ ملکۂ مصر اور ابن نشاطی کی پھول بن۔ ولی ویلوری کی رتن پدم، روضۃ الشہدا، اور سراج کی بوستان خیال وغیرہ دکھنی کی نہایت مشہور کتابیں ہیں۔ جن میں سے اکثر چھپ چکی ہیں اور باقی قلمی نسخوں کی صورت میں محفوظ ہیں انشاءاللہ تعالیٰ دکھنی شعراء اور ان کی تصنیفات پر ایک سلسلۂ مضامین شروع کیا جائے گا جو علمی تحقیقات کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگا۔

دو تین صدیوں تک (جب تک بیجاپور و گولکنڈہ کی فیاض حکومتیں قائم رہیں) دکن میں شعر و شاعری اور علوم و فنون کا ہی چرچا رہا۔ لیکن جب زمانے کے بیدرد ہاتھوں نے ان دکھنی حکومتوں کا تختہ الٹ دیا۔ اور آپس کی خانہ جنگی میں مبتلا ہو کر قطب شاہی اور عادل شاہی حکومتیں تباہ ہوگئیں۔ تو پھر یہاں اہل علم کا کوئی قدرشناس نہیں رہا۔ عام جہالت و بے علمی کی وجہ سے دکن کے اچھے اچھے باکمال شاعر اور نثرنگار گوشۂ گمنامی میں مدفون ہو کر رہ گئے۔

تقریباً سو ڈیڑھ سو سال کی افراتفری کے بعد انگریزی حکومت قائم ہوئی۔ ملک میں کچھ امن قائم ہوا اور اہل ملک کو قدرے اطمینان و سکون حاصل ہوا تو پھر لوگوں میں کچھ شعر و سخن اور علم و ادب کا شوق پیدا ہوا اور جنوبی ہند کے مختلف مقامات، مدراس اور بنگلور وغیرہ سے ادبی رسائل و اخبارات جاری ہوئے اور جا بجا کتابیں لکھی جانے لگیں۔ ماضی قریب میں کئی بلند پایہ ماہنامے اور موقر اخبار نکلے جنمیں سے یہ چند قابل ذکر ہیں:۔

کوثر بنگلور، سفینہ مدراس، روزنامہ مسلمان، مصحف عمرآباد (آرکاٹ)، فانوس بنگلور، جلوۂ سخن مدراس، گلدستہ مدراس، روزنامہ ہمدرد، ماہنامہ رفیق۔ ہفتہ وار دلچسپ وغیرہ۔

ان میں سے روزنامہ مسلمان، رفیق اور دلچسپ کے سوا سب بند اور مرحوم ہو چکے ہیں۔

ان رسائل اور اخبارات کے بند ہونے اور ان علمی و ادبی کوششوں کے ناکام ہونے کے اسباب نہایت دردانگیز اور حوصلہ فرسا ہیں۔ ان ادبی اور علمی کوششوں کی پئے در پئے اور متواتر ناکامیوں کو دیکھکر ہمارے بعض دوست آفاق کے متعلق بھی ابھی سے پیشین گوئی فرما رہے ہیں کہ اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو اس کے پیش رو رسالوں کا ہوا ہے۔ لیکن ہم اپنے پیشرووں کی ناکامیوں کو دیکھکر ہمت ہارنے کی بجائے ان سے سبق حاصل کریں گے اور ان اسباب کا پتہ لگائینگے جن کی بنا پر وہ ناکام ہوئے۔ ان اسباب کو دور کر کے ان کو پھر پیدا ہونے سے روکنے کی کوشش کریں گے۔

چنانچہ کافی غور و خوض اور چھان بین کے بعد جنوبی ہند میں ادبی و علمی کوششوں کی ناکامی کے چند اسباب معلوم ہوئے ہیں جن کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) سب سے پہلا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد یہاں غربت و افلاس میں مبتلا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ان کوششوں میں خاطر خواہ حصہ نہیں لے سکتے۔ اور جو صاحب ثروت ہیں وہ اپنے حال میں مست ہیں۔

(۲) دوسرا یہ کہ تعلیم یافتہ طبقہ اردو زبان سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔ بلکہ بعض مغرب زدہ حضرات اردو اخبار، رسالہ یا کتاب پڑھنا معیوب اور فیشن کے خلاف سمجھتے ہیں۔ وہ زیادہ تر انگریزی اخبار، رسالے پڑھتے اور ان کی سرپرستی کرتے ہیں۔ اس طرح قوم کا وہ اصلی طبقہ جس سے اردو کو کچھ اعانت و امداد کی توقع ہوسکتی تھی۔ اس کی جانب سے بالکل غافل ہے۔ ان کی اس سرد مہری اور غفلت کی وجہ سے اکثر رسالے اور اخبار گھٹ گھٹ کر مر جاتے ہیں۔

(۳) رسائل و اخبارات کے اکثر مالک اور مدیر حضرات اپنے اخبار زیادہ تر محض تجارتی اصول پر جاری کرتے ہیں ان کے پیش نظر کوئی قومی مقصد اور دل میں کسی علمی خدمت کا جذبہ نہیں ہوتا۔

(۴) ان میں سے بعض غیر دیانت دار، خائن اور جھوٹے

ثابت ہوئے جن کے قول و قرار کا کوئی اعتبار قوم میں باقی نہیں رہا۔

(۵) بعض ایسے حضرات نے اس کام میں ہاتھ ڈالا جن میں اس کام کی صلاحیت ہی نہ تھی اور نہ وہ اس کی ذمہ داریوں اور مشکلات ہی سے واقف تھے۔

(۶) اکثروں نے اپنے اخبار اور رسالے کبھی وقت پر نہ نکالے۔ ہمیشہ ناغہ کیا اور بے وقت شائع کرتے رہے جس کی وجہ سے ناظرین بیزار اور ان کی اعانت سے دست بردار ہو گئے۔

(۷) بعض ایسے حضرات نے بھی اس راہ میں قدم رکھا جو اگرچہ اس کام کی پوری پوری صلاحیت رکھتے تھے اور اس کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف بھی نہ تھے۔ بلکہ کافی تجربہ بھی رکھتے تھے لیکن پوری طرح آزاد نہ تھے۔ جس کی بنا پر ان کو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کا موقع نہیں ملا اور وقت سے پہلے ناکام ہو گئے۔

آفاق کے اجرا سے پہلے ان اسباب پر کافی غور کیا گیا ہے اس اقدام سے پہلے اس کے تمام متعلقہ امور پر خوب سوچ بچار کر لیا گیا ہے اس اہم اور مشکل کام کی ساری ذمہ داریوں کو بخوبی سمجھ کر اور ان مشکلات کو جو اس راہ میں پیش آنے والی ہیں سامنے رکھ کر اپنے آپ کو اچھی طرح تول لیا ہے کہ ان ذمہ داریوں کے سنبھالنے کی صلاحیت اس بار کو اٹھانے کی طاقت اور مشکلات کو دور کرنے اور ان پر قابو پانے کی ہمت اپنے اندر ہے یا نہیں ؟

اس ناپ تول اور جائزے میں اپنے اندر کچھ وزن محسوس کر کے ہم نے یہ قدم اٹھایا ہے اور اس عزم کے ساتھ اٹھایا ہے کہ اس راہ میں کل متاعِ حیات اور زندگی کی ساری پونجی لٹا دیں گے، پر آخری وقت تک ہمت ہارنے یا قدم پیچھے ہٹانے کا نام نہیں لینگے۔ آفاق کے تمام معاونین اور خریدار مطمئن رہیں کہ ان کے ساتھ کسی قسم کی خیانت اور بدمعاملگی نہ ہو گی۔ اور ان شاء اللہ نہیں آفاق کی جانب سے کسی قسم کی تکلیف ہو گی اور نہ نقصان پہنچیگا

گلشنِ سخن نندیال کا سالانہ مشاعرہ :-

نندیال میں تقریباً پندرہ سال سے عالیجناب قاضی کریم الدین صاحب زعیم قاضی نندیال کی سرپرستی میں ایک بزم "گلشنِ سخن" نندیال کے نام سے قائم ہے جس کے ماہانہ و سالانہ مشاعرے ہوتے رہتے ہیں۔ گلشنِ سخن کے صرف مشاعرے ہی نہیں ہوتے بلکہ اب تک اس کی جانب سے کئی گلدستے اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جن میں سے بہارِ خیال۔ خیابانِ خواجہ وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

امسال بزمِ مذکور کا سالانہ مشاعرہ انجمن ہلالیہ میں عالیجناب نواب طلعت اللہ خان صاحب نواب رئیس کرنول کی زیرِ صدارت بتاریخ ۱۱ رمئی ۱۹۴۷ء بوقت شب بساعت ۹ منعقد ہوا۔ دو طرحی مصرعے دئے گئے تھے جن میں ایک یہ ہے، ہم کو غصہ پہ پیار آتا ہے

مشاعرے میں شرکت کے لئے حیدرآباد، کرنول۔ ادھونی اور دیگر مختلف مقامات سے شعرا آئے تھے۔ جنہوں نے دونوں مصرعوں پر خوب طبع آزمائی کی تھی۔ سامعین نے خوب دل کھول کر داد دی۔

جنابِ صدر نے اس مضمون کی ایک تجویز پیش کی کہ اضلاع معوضہ یعنے کرنول، کڑپہ، بلاری، اور انت پور، حکومتِ حیدرآباد کو واپس دے دیئے جائیں تجویز باتفاقِ آرا منظور ہوئی۔

مشاعرہ نہایت کامیابی کے ساتھ رات کے چار بجے ختم ہوا۔

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے
(اقبال)

مذہب لاشئے

ایک قدیم فلسفہ، جدید اسلوب میں

استاذ محترم مولانا محوی صدیقی مدظلہ

دنیا میں جس قدر عقلی علوم ہیں ان میں سے کسی ایک کی بھی اتنی شاخیں اور شعبے نہیں جتنے فلسفے کے ہیں یہ سلسلہ آج سے نہیں بلکہ قدیم عہد فلسفہ سے لے کر اب تک جاری ہے اور خدا ہی جانے کب تک جاری رہیگا۔ ہر ملک اور ہر دور میں اس فلسفے کی نئی نئی شاخیں پھوٹتی اور پھیلتی رہی ہیں اور ہر ایک نے کوئی نہ کوئی خاص شکل یا خاص رفتار پیدا کر لی ہے تاہم یہ حقیقت ہے کہ جس طرح دنیا کے دوسرے علوم اور نظام نظریۂ نشو و ارتقا کے تابع رہے ہیں اسی طرح یہ فلسفہ بھی اسی نظریے کے زیر اثر رہا ہے اس میں شک نہیں کہ بہت سے اعتبارات اور خارجی اثرات حتیٰ کہ جغرافی عوامل تک علوم فلسفہ کی رفتار میں آخر اس منزل پر وہ آج پہنچا ہوا ہے۔ اس منزل پہ پہنچانے میں اثر انداز رہے ہیں اور یہ بعض عوامل یا اثرات کا نتیجہ ہے۔ جو فلسفہ آج اپنی اس معراج پر نظر آ رہا ہے۔

اس وقت ہمارا مقصد فلسفہ کے نشو و ارتقا پر بحث کرنا نہیں ہے، نہ یہ بتلانا ہے کہ اب تک اس نے کتنی شاخیں پیدا کر لی ہیں۔ نہ ہم اس کی فروعات کو بیان کرنا چاہتے ہیں بلکہ اختصار کے ساتھ فلسفہ خیالیات یا بالفاظ دیگر مذہب لاشیئہ کی تین ضروری چیزیں بیان کرنا چاہتے ہیں،

لاشئیہ کیا ہے؟

لاشئیئی یا مذہب لاشیئہ، وجود مادہ کے انکار کا نام ہے اور آج دنیا میں بہت کم لوگ اس مذہب کے قائل ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ البتہ یہ فلسفہ گذشتہ زمانوں میں بہت زیادہ شائع اور رائج تھا لیکن آہستہ آہستہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا اثر بھی دنیا سے ناپید ہوتا چلا گیا۔

اس نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ، ہر وہ چیز جو اس کائنات اور دنیا کی زندگی میں پائی جاتی ہے، وہ محض ایک خیال ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ وہ واقعی طور پر کہیں پائی جاتی ہے۔ اور زندگی کے تمام حوادث ان حالات سے زیادہ فرق نہیں رکھتے۔ جنہیں آدمی سوتے میں دیکھتا اور خواب سے تعبیر کرتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ صرف اتنا فرق سمجھ لیجئے کہ زندگی کے یہ مظاہر عالم خواب کے مظاہروں سے زیادہ واضح اور روشن تر ہوتے ہیں۔ اس فرق کے علاوہ یہ تمام واقعات بالکل خواب ہیں اگر آپ اس مذہب کے پیرو سے یہ سوال کریں کہ تم ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اپنے کانوں سے سنتے اور اپنے ہاتھوں سے ان کو چھوتے ہو۔ تو جواب دیتا ہے کہ کیا یہ حرکتیں آپ خواب میں نہیں کرتے۔ لہذا ان کا وجود بیداری یا حقیقت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اس نظریئے کے قائل عجیب طرفہ خیال کے لوگ ہیں کسی دلیل سے انھیں قائل کرنا آسان نہیں بلکہ بہت دشوار ہے اس وجہ سے کہ ہر چیز کا انکار کر دیتے ہیں۔ یہ دلیل و برہان بھی ان کے نزدیک بجائے خود بکواس یا ہذیان ہے، ویسی ہی بکواس جیسی انسان خواب میں بکتا ہے۔

ان لوگوں کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ لوگ جب اس عالم کائنات میں کسی حقیقت کے وجود کو نہیں مانتے اور نہ اسے واقعی جانتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس بزم حیات میں جو کچھ بھی ہے وہ ایک خواب در خواب ہے اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے لہذا ان کا کلام بھی خواب ہے اور ہمارے لئے غیر ممکن ہے کہ ہم اس کو حقیقت سے تعبیر کر سکیں۔ یہاں پہنچکر ان کا دعوے

ساقط ہو جائے گا۔ اور کوئی اصول ایسا باقی نہ رہیگا۔ جس پر وہ اپنی اس عمارت کو قائم رکھ سکیں۔

ان کے گروہ میں ایک ایسا فریق بھی ہے جو ان سے ذرا کم طرفدار ہے یہ لوگ مادہ کے وجود سے انکار کرتے اور کہتے ہیں کہ عالم کائنات میں فکر و خیال کے سوا حقیقت کچھ نہیں ہے۔ پس وہ تمام محسوس ہونے والی چیزیں جو ہمارے حواس میں آتی ہیں۔ ان کا وجود اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ محض فکر کے ساتھ پائی جاتی ہیں اور جب فکر غائب ہو جاتی ہے تو وہ بھی غائب ہو جاتی ہیں۔ اس جماعت کے سب سے زبردست حامی علامہ برکلے ہیں۔ یہ انگلستان کا مشہور فلسفی اٹھارویں صدی عیسوی میں کمال شہرت پر پہنچا اور اس صدی کا سب سے بڑا عالم مانا جاتا ہے۔ اس کی رائیں مکالمات برکلے کے نام سے تمام دنیا میں شائع ہو چکی ہیں۔ اردو میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ بات چیت (مکالمہ) دو شخصوں میں ہوتی ہے ایک کا نام ہیلاس ہے اور دوسرا فیلونوس۔ ان مکالموں میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ "دنیا میں کوئی شئے ایسی نہیں جسے تم مادہ کے نام سے یاد کرتے ہو۔ اور یہ دنیا محض ایک مجموعۂ افکار ہے۔

ایک مشکل حقیقت

ہم تھوڑی دیر کے لئے فرض کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے سیاہ لکڑی کا میز ہے۔ وہ رنگ میں سیاہ اور شکل میں مستطیل (لمبی) اس کی سطح پالش کی ہوئی ہے۔ اور اس کا مادہ سخت لکڑی ہے۔ اس کے چار پائے ہیں جن کی بلندی مساوی ہے۔ جو شخص بھی اسے دیکھیگا انھیں اوصاف سے متصف، اور ان اوصاف کو میز پر منطبق پائیگا۔ یہاں تک کہ دو شخص بھی ان اوصاف میں اختلاف نہیں کر سکتے لیکن اگر ہم ذرا باریک بینی سے کام لیں تو ہم کو بہت سے وجوہ اختلاف نظر آئینگے اس لئے کہ اگرچہ میز کا رنگ سیاہ ہوگا مگر یہ سیاہی میز کے تمام حصوں میں یکساں پھیلی ہوئی نہ ہوگی۔ اس لئے کہ ان میں سے بعض حصے نہایت تیز روشنی میں ہونگے اور کچھ حصے کم تیز روشنی میں۔ اس وجہ سے سطحی حصے کی سیاہی نمایاں کی نظر آئیگی۔ ان حصوں سے جو زیادہ تیز روشنی کے موقع پر ہیں۔ پس چند لوگ جب میز کو بیک وقت دیکھینگے۔ تو انکو اس رنگ کی جو صورتیں حاصل ہونگی وہ ہر ایک کے دماغ میں مختلف ہونگی یہ اختلاف میز سے مسافت قیام اور مقام روشنی کے اختلاف کے لحاظ سے کچھ نہ کچھ ہوگا اور ضرور ہوگا۔ اسی طرح دوسرے اعتبارات سے بھی کچھ اختلاف ہوگا۔ ان اختلافات کو ادراک کرنے میں مصور اور نقاشوں سے زیادہ کوئی ماہر نہیں اس لئے کہ وہ پوری طور پر اس کے عادی ہیں کہ صورتوں کو دیکھکر ہو بہو ان کی تصویریں اتار دیں اسطرح کہ نقل اور اصل قریب تر ہو۔ اور جو بات میز کے رنگ پر صادق آتی ہے وہی میز کی شکل و صورت پر بھی صادق آئے گی۔ اور جس مرکز پر دیکھنے والا کھڑا دیکھ رہا ہے اس مرکز کے لحاظ سے شکل میں بھی اختلاف ہوگا یہی اختلاف میز کی بلندی، سختی، سطح کی ہمواری، چکناہٹ اور صفائی کے لئے بھی تم مان سکتے ہو۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ میز کی یہ تمام صفتیں اور صفات جنہیں فلاسفہ لفظ محسوسات سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ سب محض نسبتی اعتبارات ہیں جو حالات اور اشخاص کے اختلاف کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ لہذا ان میں کسی ایک کو حقیقی سمجھنا اور باقی کو محض وہمی خیال کرنا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان کل اعتبارات میں سے ہر ایک اعتبار کو اپنے حقیقی ہونے کا وہی حق ہے جو دوسرے کو ہے۔ کہ وہ اپنے کو اعتبار حقیقی سمجھے اور چونکہ ان اعتبارات کی کوئی حد و نہایت نہیں اور یہ باہم ایک دوسرے سے مختلف ہیں بلکہ ممکن ہے کہ ایک دوسرے کے نقیض ہوں۔ لہذا حقیقت غائب اور یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان تمام اعتبارات میں سے کسی ایک اعتبار کا بھی حقیقی وجود نہیں بلکہ یہ سب کے سب مجرد صورتیں یا وہ اعراض ہیں جو فکر و خیال میں پیدا ہوتی ہیں۔ اور چونکہ کسی عرض کا اپنے جوہر سے خالی ہونا ممکن نہیں اس لئے یہ حکم لگا دینا لازم آئیگا کہ جوہر کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ جوہر اور عرض دونوں متحد اور لازم و ملزوم ہوتے ہیں ایک کے بغیر دوسرے کا پایا جانا ممکن ہی نہیں۔ اور جب اعراض محض اوہام ٹھہرے تو جوہروں کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے۔

اس مشکل کی دوسری صورت

ہم نے جو کچھ کہا ہے جب وہ ثابت ہو گیا تو یہ بات طے شدہ سمجھئے کہ جس قدر بھی اعراض یعنی محسوسات اور جواہر ہیں ان میں سے کسی کا وجود بھی فکر و خیال کے سوا کہیں نہیں۔ مثلاً جب ہم

بھی کسی عمارت کو دیکھیں گے تو یہ حکم لگائیں گے کہ اس کا وجود حقیقی خیال کے سوا اور کہیں نہیں۔ اور وہ بھی اس طرح پر کہ جب خیال غائب ہوگا یہ عمارت بھی غائب ہو جائیگی۔ اور ایسی پر ہم ذیل کے قیاس کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ ہر موجود کا وجود ہے اس لئے کہ فکر اس کو باقی ہے اور جو شئے موجود نہیں وہ باقی نہیں جاتی اس لئے کہ فکر اس کو نہیں پاتی۔ ہندا اس حالت میں ہر وہ چیز جو موجود ہے ضروری ہے کہ وہ فکر و خیال میں ہو۔ اور اگر وہ فکر و خیال میں نہیں ہے تو مطلقاً موجود ہی نہیں ہے۔

مزید وضاحت کے لئے ہم یوں کہتے ہیں کہ مثلاً درخت کا وجود پایا جاتا ہے اس لئے کہ وہ زید کے فکر و خیال میں موجود ہے۔ اگر زید کے فکر و خیال میں اس کا وجود نہ ہوتا تو وہ سرے سے ہی موجود نہ ہوتا۔ اور جب ثابت ہوا کہ اس کا وجود ہے تو یہ اس لئے کہ زید کے علاوہ کسی اور شخص کے فکر و خیال میں اس کا وجود ہے۔ اور اگر ہر فکر و خیال اس سے خالی ہے تو مطلقاً اس کا وجود ہی نہیں۔

بعض فلاسفہ نے یہ بات محسوس کی ہے کہ اس اصول میں کچھ کمزوری اور بوالعجبی ہے۔ انھوں نے اپنے خیال کو اور زیادہ وسعت دی ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جو چیز خدا اور انسان کی فکر سے ماسوا ہے اس کا حقیقت میں وجود نہیں۔ یہ قول صحت اور اصابت رائے سے قریب تر معلوم ہوتا ہے۔

اس نظریئے کی غلطی

مگر یہ نظریہ ایک غلطی پر مبنی نظر آتا ہے۔ بر کلے جیسے وسیع النظر فلسفی سے بھی بھول ہوئی ہے۔ اور اس کے پیرو فلاسفہ سے بھی وہ لغزش یہ ہے کہ انھوں نے فکر و خیال میں کسی چیز کے وجود مادی، وجود نسبتی اور وجود صوری میں کوئی فرق و امتیاز قائم نہ رکھا کیونکہ مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ درخت زید کے خیال میں ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ مادی طور پر زید کے خیال میں موجود ہے۔ یعنی اپنی جڑوں، تنوں، شاخوں اور بعض پتوں سمیت بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی صورت زید کے خیال میں متمثل ہے پس یہ بالکل جائز ہوگا کہ ایک شئے کا وجودِ مادی ہو۔ بغیر اس کے کہ کسی خیال میں بھی ہو۔ ہاں البتہ مذہبی اعتقاد ایک مومن کے دل میں وجود الٰہی کا یقین پیدا کرتا ہے اس لئے کہ مادی کائنات میں کوئی چیز خدا کے خیال و فکر سے باہر نہیں۔ اور یہ مقام ایک علمی نظریئے کے ثابت کرنے کا ہے نہ کہ مذہبی اعتقاد۔ یہاں ایک اور بات بھی قابل اعتبار ہے۔ وہ یہ کہ ہم جواہر سے تو انکار کرتے ہیں لیکن اعراض کے وجود سے انکار نہیں کرسکتے اس لئے کہ یہ عرض وہ محسوسات ہیں جنکا ادراک ہم حواس کے ذریعے کرتے ہیں۔ لیکن جواہر کا ادراک اس طریقے پر بہت دشوار ہے اس لئے کہ مثلاً زید میز کے وجود کا انکار کرتا اور کرسکتا ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں کرسکتا کہ وہ ان اعراض یعنے محسوسات سے اندھا ہے۔ جو میز سے متلازم ہیں، جیسے رنگ، شکل، بلندی، سختی وغیرہ، ہاں ان اعراض کے حقیقت کے بارے میں انسان کو وہم ہوسکتا ہے لیکن خیال میں اس کا نقش وجود اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا وجود کسی نہ کسی صورت میں حقیقی ہوگا۔ اس لئے کہ ہر علت کے لئے ایک موجود کا ہونا ضروری ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ لاشئے سے محسوسات پیدا ہوسکیں۔ اس لئے کہ لاشے سے شے کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ ہندا ضروری ہوا کہ صفات یا عوارض کسی ایسی حقیقت کے ساتھ بھی ہوں جسے ہم نہ جانتے ہوں کہ وہ کیا ہیں۔ گو ہم ایک باطنی اعتقاد کی بنیاد پر جانتے ہیں کہ وہ حقیقت مادہ ہے۔ مثلاً اگر ہم عرض کریں کہ ہم نے میز پر ایک پردہ ڈال دیا ہے جو میز کو ہماری نظروں سے اوجھل کردے تو اس حالت میں اس کے اعراض بھی جاتے رہیں گے۔ لیکن کیا خود میز بھی جاتی رہیگی۔ اگر نفس الامر میں ایسا ہے تو گویا پردہ فضا میں ایک عجیب و غریب طریقے سے معلق ہوگا۔ یہ ایک محض صریح وہم ہے۔ اور فلسفہ میں ایسے بہت سے اوہام ہیں اور بھی وجوہ ہیں جو اس مسئلے کی صحت تسلیم کرنے میں سدراہ ہیں۔ مگر ان کو یہاں چھیڑنا طول کلام ہے۔ لہٰذا ہم ختم کرتے ہیں۔

ابھی آنکھوں سے چوما ہے کسی کا آستاں ہم نے

از حضرت سرشار کسمنڈوی

حجاب ناز کے مسلک میں کیں تبدیلیاں ہم نے
تجلی کو کیا خود بار یابِ امتحاں ہم نے

ترے جلوؤں میں گم کر دیں نظر کی خامیاں ہم نے
پھر ان جلوؤں میں ڈھونڈھی زندگی جاوداں ہم نے

جہاں بھی احتمال گمرہی میں حوصلہ توڑا
وہیں دیکھا ترے نقش قدم کو درمیاں ہم نے

محبت گریۂ خاموش کی قیمت سمجھتی ہے
بڑی سنجیدگی سے پیش کیں قربانیاں ہم نے

ہمیں تو سجدہ ہائے شوق کو بے لاگ رکھنا تھا
نہ دیکھی رہگذر ہم نے، نہ دیکھا آستاں ہم نے

ابھرتی ہے نہ چھپا چھوڑتی ہے بے نوا دل کا
خدا جانے یہ اندھی چوٹ کھائی ہے کہاں ہم نے

ابھی ترکِ ادب کا جرم ثابت ہو نہیں سکتا
ابھی آنکھوں سے چوما ہے کسی کا آستاں، ہم نے

تمہیں جو بھول سکتا ہو وہ کس کو یاد رکھیگا،
اب اس مرکز پہ روکی ہے نگاہ ناتواں، ہم نے

نیازِ عشق میں نازِ تجلی ڈھونڈھنے والے
ابھی سازِ خودی کے تار چھیڑے ہی کہاں ہم نے

حجابِ منزل مقصود گردِ راہ کیا ہوتی
کبھی ٹھنڈی نہ ہونے دی زمینِ کارواں ہم نے

خدا جانے فریبِ شوق تھا یا حسنِ نظارہ
کسی محفل میں دیکھا تھا جوانی کو جواں، ہم نے

جنھیں تیری نگاہ ناز نے ٹھکرا دیا ظالم
انھیں رستے ہوئے زخموں میں بھر لیں بجلیاں، ہم نے

کہا آنکھوں سے اے سرشار جو کچھ ان سے کہنا تھا
زبان بے زبانی کا دیا یوں امتحاں ہم نے،

"ہماری پریشانیوں کے اسباب"

(از جناب مولوی سید ہاشم صاحب دلمباڑی فاضل دیوبند)

ساری تعریفیں اور ساری عبادتیں اسی پروردگار عالم کے لئے سزاوار ہیں جس نے ہمیں اور ساری مخلوق کو پیدا فرمایا اور ہر ایک مخلوق کو اس کے مزاج اور طاقت کے مطابق عقل اور دانائی بخشی ۔

ہر ایک مخلوق اپنی عطا کردہ عقل ودانش کی بدولت اپنے پروردگار کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتی ہے ۔ اور اس کی عبادت کی طرف فطرتاً مائل ہے ۔ دنیا کی کوئی ایسی شئے نہیں جو اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے مالک کی اطاعت نہ کرتی ہو ۔ وہ جانور جو جنگلوں میں بستے ہیں وہ پرندے جو فضاؤں میں اڑتے ہیں ۔ وہ مچھلیاں جو پانی میں تیرتی ہیں ۔ وہ کیڑے مکوڑے جو سوراخوں میں بسیرا کرتے ہیں ۔ غرضیکہ ساری مخلوق اللہ تعالےٰ کی بڑائی اور پاکی بیان کرنے اور تسبیح وتہلیل کرنے میں مشغول ہے ۔

ان من شیئ الا یسبح بحمدہ ولٰکن لا تفقہون تسبیحھم انہ کان حلیماً غفوراً ٥

کوئی ایسی شئی نہیں جو اپنے پروردگار کی پاکی نہ بیان کرتی اور عبادت نہ کرتی ہو مگر آپ ان کی تسبیح وتہلیل کی پہچانت نہیں رکھتے ۔ بیشک وہ تحمل والا اور بخشنے والا ہے ۔

بنی اسرائیل ٥ رکوع

بالخصوص اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوقات سے زیادہ سمجھدار، علم ودانش کا پیکر، حکمت وتدبیر کا یکتا ۔ قوت گویائی کا مالک اور تمام سے اشرف واعلےٰ بنایا ۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (سورۂ تین)

ہم نے انسان کو نہایت اچھے انداز میں پیدا کیا ۔

علاوہ ازیں اللہ تعالےٰ کی سب سے بڑی نعمت ودولت جو انسان کے لئے عطا کی گئی ہے وہ قرآن مجید وفرقان حمید ہے ۔ یہ اللہ تعالےٰ کی رحمتوں میں سے بہت بڑی رحمت کاملہ کا مظہر ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے رحمٰن ایک اسم بہت پیارا ہے ۔ لفظ رحمٰن مبالغہ کا صیغہ ہے ۔ جس سے بیکراں رحمت کا مسلسلہ ہونا ہے ۔ اسی رحمٰن نے اپنی رحمت کاملہ وفائقہ کے طفیل سے ہم انسانوں پر قرآن عظیم نازل فرمایا جس کے حرف بحرف پڑھنے اور اس کے معنی ومطالب سے بالکلیہ واقف ہونے کیلئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت فرمائی ۔

غور فرمائیے کہ اس سے بڑھ کر اس کی نعمت عظمیٰ کیا ہوگی ۔ کہ اس کے علوم ومعارف سے آشنا فرمایا ہے ۔

انسان کو جو کچھ بھی ساری مخلوقات پر فضیلت حاصل ہے سو وہ قرآن ہی کی بدولت ہے ۔ ورنہ بلاشبہ کمزور وناتواں انسان اور پھر یہ قرآن مجید جو بحر ناپیدا کنار ہے ۔ کہاں اس میں برداشت کی قوت کہ جس کی برداشت سے ارض وسما بھی عاجز ۔ اگر رحمٰن کی رحمت نہ ہوتی تو کس کی قدرت جو اس کو یہ مسلم عطا کرے ۔

الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان ٥ سورۂ رحمٰن

رحمٰن (جس نے) قرآن سکھلایا ۔ انسان کو پیدا فرمایا ۔ پھر اس کو بات کرنے سے آشنا فرمایا ۔

کاش انسان اتنی بڑی عظیم الشان نعمت (قرآن) کی قدر ومنزلت کرتا ۔ اپنے پیدائش کا مقصد پہچانتا ۔ نازل شدہ احکام قرآنی اور قوانین دینی کی فرمانبرداری کرتا اور اس کی حکومت میں ایک وفادار سپاہی بن کر زندگی بسر کرتا تو دیکھ لیتا کہ اس کے لئے دنیا وآخرت میں کتنی بڑی کامرانی نصیب ہوتی مگر انسان جتنا بلند مرتبہ والا ہے اتنا ہی وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے سرکش اور اس کی نعمتوں کا ناشکرا ہے ۔

إِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ۔ (سورۂ عادیات) — بے شک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا جو اس کے اعلیٰ مرتبہ حاصل کرنے کے ناشکر اور نالائق سے خطاب فرمایا۔ اس لئے کہ کسی احسان کرنے والے کے احسان کا احساس نہ کرے تو یہ عین خیانت ہے۔ دنیا کی کوئی سوسائٹی بھی اس انسان کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتی ہے۔ احسان فراموشی انتہائی بُری عادت ہوتی ہے۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ — احسان کا بدلہ سوائے احسان کے اور کچھ نہیں ہے۔ (سورۂ رحمٰن)

مثال کے طور پر ان گھوڑوں کو یاد کیجئے جو اپنے مالک کی وفاداری کرتے تن اور من نچھاور کر دیتے ہیں۔ میدان جنگ میں بے خطر کود پڑتے ہیں۔ دشمنوں کے مقابلے میں سینہ تان کر مسلسل آگے بڑھتے ہیں۔ بلکہ گولیوں کی بوچھاڑ ہو۔ خواہ نیزوں اور سنگینوں کی باڑھ ہو۔ خواہ تیروں کی بارش ہو۔ بہرحال اپنے سوار کو لئے داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ وفاداری محض اس بات پر کہ ان کے مالکوں نے انہیں گھاس اور تنکوں سے ان کی پرورش کی تھی۔ بس اتنے سے احسان پر لڑائی کا رن مچا ہو یا گھمسان کی جنگ ہو یہ ہر گھس پڑتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنے مالک کی حفاظت کے لئے سب سے پہلے اپنی ہلاکت منظور کر لیتے ہیں۔ مگر اپنی وفاداری اور شکرگزاری کو فراموش نہیں کرتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان گھوڑوں کی قسم کھائی ہے۔

فَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا — قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑنے
فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا — والے ہیں ہانپ کر پھر ان گھوڑوں کی جو
فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا — آگ نکالنے والے ہیں ٹاپ مار کر پھر غارت
فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا — کرنے والے ہیں صبح سویرے۔ پس جو غبار
فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا — اڑانے والے ہیں اور گھس پڑنے والے ہیں
(سورۂ عادیات) — بڑی بڑی جماعتوں میں۔

دیکھئے! ان گھوڑوں میں وفاداری کا جذبہ کتنا بھرا ہوا ہے۔ اس کے بالمقابل ایک وہ انسان بھی ہے جو اپنے آپ کو وفاداری کی راہ سے ہٹا کر نافرمانی کی غلط پگڈنڈی پر چل رہا ہے یقیناً نافرمانی

کیونکہ ایسا انسان ان چوپایوں سے بدتر ہے۔

آج یہ دیکھا جا رہا ہے کہ شکرگزاری تو کجا بلکہ اللہ تعالیٰ سے گلہ شکایت کی جا رہی ہے۔ نافرمانی کی طرف بڑے شوق سے میلان بڑھ رہا ہے۔ حالانکہ یہ غفلت ہلاکت کی طرف لے جانے والی ہے۔ نہ تو اپنی پستی و بربادی کی اصلاح اور نہ فکر آخرت۔

برادران اسلام! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچایئے جس طرح آپ ایک دہکتی ہوئی آگ سے بچنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ اسی طرح اپنے خاندان والوں، دوستوں اور احباب کو بھی بچانے کی کوشش کیجئے۔

الدال على الخير كفاعله — یعنی نیکی کی راہ سمجھانے والا ایسا ہے جیسا کہ وہ خود کرنے والا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا — اے ایمان والو تم اپنی جانوں اور اپنے قبیلوں کو آگ سے (جہاں تک ہو سکے) بچانے کی کوشش کیجئے۔ (سورۂ تحریم رکوع ۲)

کیا ہم اس فانی دنیا میں پیدا ہو کر فانی چیزوں سے محبت اور تعلق پیدا کر لیں تو کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی رضامندی بھی حاصل ہو جائیگی؟ ہماری تو ایک مسافر کی سی مثال ہے۔ پانی کے بلبلوں کی سی فرصت حاصل ہے! نہیں معلوم کس سانس پر ہماری زندگی کا پروگرام ختم ہو جائیگا۔ حضور اکرم صلعم نے فرمایا۔

كُن فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ (الحدیث) — دنیا میں تو ایسا ہو جا گویا کہ تو اجنبی ہے یا رہگذر ہے۔

کامیابی اور فائز المرامی وہی شخص حاصل کریگا جس نے دنیا کو آخرت کی کھیتی جانا۔ جس میں آخرت کی تیاری کے لئے ہل چلایا۔ اور بہترین فصل کی کاشت کی۔ تو یہی وہ نیک غلہ ہے جو اس کے لئے کل کے دن باعث نجات بنے گا۔ وزن اعمال میں اس کی قدردانی ہو گی۔ اس لئے کہ

وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ — آخرت ہی بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ (سورۂ اعلیٰ)

باقی ساری قوتیں اور ہماری تمنائیں نیست و نابود ہو جائینگی۔ نہ ہمارا تعلق ان سے رہے گا اور نہ وہ ہمارے ساتھ۔ مومن بندہ کی شان تو یہ ہونا چاہئے کہ وہ آخرت کی قدر و قیمت کرے اور اس کے حصول کے

کوشش سے ہاں جو کہ دنیا کی ترقی اور سربلندیوں کا ادراک

یہی ضرور ہے کہ انسان نے آخرت میں ملنا ہے۔

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور اس کی
سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ کوشش میں لگا رہا۔ وہی
(بنی اسرائیل رکوع ۲) مومن ہے

صرف اقتصادی اور سیاسی ترقی اور دنیاوی دنیا کی ترقی حاصل کرنا باعث نجات نہیں ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان موجودہ ترقیوں کے ساتھ ساتھ دینی قوت اور مذہبی ترقی و بلندی کا حصول نہایت ضروری ہے۔ دنیا کے اندر کوئی سائنس یا مادی قوت یا جانور ایسا نہیں ہے۔ جو ایک ہی قوت کے بل بوتے پر چل رہا ہے۔ آپ ساری کائنات کا مشاہدہ کر لیجئے۔ آپ کو ایک قوت کے ایک سہارے پر چلنے والی نظر نہیں آئے گی۔ بلکہ سب کے لئے دو قوتوں کی ضرورت ہے۔

مثال کے طور پر ایک گاڑی کو فرض کر لیجئے کہ وہ ایک چاک کے بل پر چلنے پھرنے والی نہیں پائیں گے۔ کم از کم ایک محفوظ گاڑی کی رفتار کے لئے دو چاکوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ورنہ یقیناً وہ ایک قوت کی وجہ سے کچھ تو چلے گی۔ اور کہیں چل کر رک جائے گی۔ اسی طرح کوئی جانور بھی ایک ٹانگ کے بل پر چلنے والا نہیں۔ اور کوئی پرندہ بھی ایک پنکھ کے بل اڑنے والا نہیں۔

ایسا ہی کچھ ہماری زندگی کی رفتار اور اپنی ترقیوں کی دوڑ دھوپ سب ایک ہی قوت پر چل رہی ہے۔ یعنی جہاں تک ہمارا اسلامی نصاب۔ سیاسی تگ ودو۔ اقتصادی ترقیاں اور ہمارے انقلابی تصورات کا دخل ہے وہ صرف دنیا طلبی اور جاہ طلبی کے لئے وقف ہو چکا ہے۔ شاید ہی ان تمام تعلقات کے ساتھ کبھی دین اور خدا ترسی بھی یاد آتے ہوں۔ حالانکہ اصولی طور پر ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ سب اس کے بنائی ہے۔ اگر اسلامی کسوٹی پر پرکھا جائے تو سب ناخداشناسی پر مبنی ہے۔ انجام آخرت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

لامحالہ ہمیں عقلاً یہ ماننا پڑے گا کہ دین اور دنیا، مذہب و سیاست دونوں قوتوں کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ محض دنیا کو اختیار کر لیجئے آپ کی زندگی کی گاڑی صحیح اور پختہ ہو سکتی [illegible] ہستیوں کی جانب۔ تو چند ہی قدم پر اٹک کر رہ جائے گی۔

. . . .

. . . .

ہمارا یہ حال ہے کہ دنیاوی اغراض اور اس کی طلبی میں دینی مقاصد اور اس کے مقتضیات کو پامال کر دیتے ہیں۔ بلکہ اپنی زندگی میں اس کا احساس تک نہیں ہوتا ہے۔ کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔ اور ہمیں کیا کرنا چاہئے تھا۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ہرگز نہیں بلکہ تم جلد بازی (دنیا)
وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ کو پسند کرتے ہو اور جان بوجھ کر
(سورۂ قیامہ) آخرت کو چھوڑتے ہو تم

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بلکہ تم دنیاوی زندگی کو اختیار
وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ کرتے ہو۔ آخرت میں بہتر اور باقی
(سورۂ اعلیٰ) رہنے والا ہے۔

چونکہ یہ دنیاوی زندگی سوائے کھیل کود اور تماشہ کے اور کوئی اس کی حقیقت نہیں ہے نہ یہ زندگی انسان کے ساتھ وفا کرنے والی ہے۔ حقیقت میں حیات آخرت ہی عین حیات ہے۔

وَمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا یہ دنیا کی زندگی صرف کھیلنا اور
لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ کودنا ہے اور دار آخرت ہی میں
لَهِيَ الْحَيَوَانُ (عنکبوت رکوع ۷) زندگی ہے۔

اس کے علاوہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ آئے دن قتل وخون کی وارداتیں، مکانوں اور جانوں کی بربادیاں، کتنے گھر والے بے خانماں، کتنے جیسے کسی کے عالم میں مبتلا۔ دلی سکون اور چین بالکل نہیں غذائی پریشانیاں اور گرانی کی تنگیاں۔ حتیٰ کہ چاروں طرف قیامت کا منظر بنا ہوا ہے۔ آخر یہ کیوں؟

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ خشکی اور سمندر میں آدمی کے کرتوت
بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي (اور ان کے ہاتھوں کی کمائیوں) سے فتنہ
النَّاسِ لِيُذِيقَهُم وفساد ظاہر ہو چکا ہے۔ تاکہ وہ کچھ

بعض الذی عملوا لعلہم اپنے اعمال کا مزا چکھ لیں۔ شاید کہ وہ یرجعون (سورۂ روم رکوع ۵) رجوع کریں۔

انسان کی عقل نے اس زمانہ میں وہ ترقی دنیا کو دکھائی اور کر دیا کہ ایک بم سے ہزاروں میل کے فاصلے کے شہروں کو برباد کیا جا سکتا ہے۔ تقریباً سات سال تک کائنات ارضی میں وہ عالمگیر جنگ ہوئی ہے جس کی مثال ابتدائے عالم سے ابتک کہیں نہیں ملتی۔ اس کے طفیل سے ملکوں میں مہم آزادی اور قتل و کشی۔ اموات کی کثرت اتنی ہوئی کہ جس کی کوئی حد نہیں۔

آج بھی ہم ان پریشان حالیوں اور مصیبتوں سے دوچار ہو رہے ہیں۔ باوجود اتنی جانکاہی اور ظلم بے پناہ اور تنبیہات کے دن بدن معصیتوں اور نافرمانیوں کا بازار گرم ہے۔ ذکر الٰہی سے بے پروائی۔ عبادت الٰہی سے سرکشی اور اطاعت خداوندی سے بغاوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹی محبت کا ادعا۔

پس جان لیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی شریعت سے منہ پھیرنے کا انجام بہت برا ہے۔ نہ ہم کو دنیا میں چین و سکون کی زندگی نصیب ہو سکتی ہے۔ اور نہ آخرت میں آرام مل سکتا ہے۔ بلکہ قیامت کے دن اندھے بنا کر اٹھائے جائیں گے۔ اس دن ہماری کوئی ہوشیاری بھی کام نہیں دیگی۔

ومن اعرض عن ذکری	جس نے بھی میری یاد سے منہ پھیرا
فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ	تو اس کے لئے تنگ گذران بے چین
یوم القیامۃ اعمیٰ ۝	زندگی ہے۔ اور اس کو قیامت کے
(سورۂ طٰہٰ رکوع ۷)	دن اندھا بنا کر اٹھائیں گے۔

بالخصوص ایک مسلمان کے لئے اس سے بڑھکر وعید اور رسوائی کا باعث کیا ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر یعنی شریعت سے اعراض کرنے کی وجہ سے دنیا اور آخرت میں لعنت الٰہی کا مظہر بن رہا ہے۔ جو ظاہری بصارت دنیا میں موجود تھی۔ وہ بھی قیامت کے دن سلب کر لی جائیگی۔ اس لئے کہ وہ عملی اور اعتقادی حیثیت سے بالکل کورا اور ایمانی روشنی سے اس کا دل بجھا ہوا تھا۔ اس دن حیرت اور افسوس کے عالم میں اپنے اس اندھے پن پر اللہ تعالیٰ سے سوال کریگا۔ اے اللہ میں دنیا میں اپنی آنکھوں سے خوب ہی دیکھنے والا تھا۔ آج مجھے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا گیا ہے۔

جواب دیا جائیگا۔ افسوس اے انسان تیرے اس استفہام پر۔ تو وہ ہے جب تیرے پاس ہماری آیتیں نصیحت کی گئیں تو ان کو ایک کان سے سنکر دوسرے کان سے چھوڑ دیا۔ جب تیرے پاس ہماری نشانیاں آئیں تو نے ان پر کوئی توجہ نہیں کی۔ جب تجھ سے ایمانی مقتضیات کا مطالبہ پیش کیا گیا تو ٹال اور ٹال مٹول کرنے لگا۔ گویا ایسا معلوم ہوگیا کہ کبھی نہ سنا اور نہ جانا ہے۔ اس لئے آج تیرے ساتھ یہ رسوا کن معاملہ کیا جا رہا ہے۔ یہ اصول بن چکا ہے کہ جو بھی ہماری نشانیوں پر توجہ نہ دے اور ہمارے احکام کی پروا نہ کرے۔ اور جو کوئی سرکشی اور بغاوت پر آمادہ ہو جائے تو اس کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ اور ایسا ہی لوٹایا جاتا ہے۔ قیامت ہی میں دائمی اور سخت عذاب کی خوشخبری دی جاتی ہے۔

قال لم حشرتنی اعمیٰ وقد	کہیگا۔ اے اللہ تو نے مجھے کس لئے
کنت بصیرا قال کذالک	اندھا بنا کر اٹھایا۔ حالانکہ میں اچھی
اتتک ایاتنا فنسیتہا وکذالک	طرح دیکھنے والا تھا۔ (جواب دیا جائیگا)
الیوم تنسیٰ وکذالک نجزی	ہاں۔ جب تیرے پاس ہماری آیتیں
من اسرف ولم یومن بآیات	آئیں تو تو نے انہیں بھلا دیا۔ اسی
ربہ ولعذاب الآخرۃ	طرح تو بھی یہاں بھلا دیا جائیگا
اشد وابقیٰ ۝	ہم تو بدلہ دیتے ہیں اس شخص کو جو کہ زیادتی کرے اور ایمان نہ لائے ہماری آیتوں پر۔ البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

فی الحقیقت جو کچھ آج ہم پر مصیبتیں ٹوٹ پڑتی ہیں اسی یاد الٰہی کی غفلت کا انجام ہے اور اس کی نافرمانیوں کا نتیجہ ہے۔ یاد الٰہی سے مراد ہر وہ قانون الٰہی ہے جو کہ ہمیں قرآن مجید اور حضور اکرم کی سیرت سے ملا ہے۔ جس کی اتباع ہمیں لازمی ہے۔

جو قوم بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے اعراض کرتی ہے اور اس کی اطاعت سے بھاگتی ہے تو اس کا ماحول فتنہ انگیز اور خطرناک ہوتا ہے۔

اور اس کی سلطنت سے ناگزیر بس معاملت ہو جاتی ہے اس کے لئے سامان القسمت لکھ دیکر شیطان ہے دنیا کا ہر فرد جس کے تعلق سے گہرا الجھا ساتھ رکنے لگتا ہے۔

ومن یعش عن ذکر الرحمٰن — جو شخص رحمٰن کی یاد (قرآن)
نقیض لہ شیطانا — سے اعراض کرتا ہے تو ہم اس کے لئے
فھو لہ قرین ۔ — شیطان کو مقرر کر دیتے ہیں۔ پس
(سورۂ زخرف رکوع ۴) — اس کا وہ دوست (رفیق) ہے

آج ہماری ان ساری تکالیف و مصائب کی بین وجہ جو ہوتی ہے ہیں تو قرآن اور سنت کی روشنی میں سوائے اس کے اور کچھ نظر نہیں آتی۔ جس کا یہ انجام ہے۔ کہ ہم آئے دن قعر مذلت میں گر رہے ہیں۔ بلندیوں سے نیچے گرائے جا رہے ہیں۔ ترقیوں کی بجائے پستیاں مل رہی ہیں اور آزادی کی بجائے غلامی کی زنجیریں نصیب ہو رہی ہیں۔

ان کا صحیح علاج یہی ہے کہ ہر مسلمان سب سے پہلے اپنے مسلمان ہونے کے مقام کو پہچانے۔ اسلام کی مقتضیات کیا ہیں انہیں پوری طرح جانے اور اس پر سچائی سے عمل کرنے لگے۔ ذکر الٰہی اتباع شریعت کا وہ مقام ہے جس طرح ایک انسان کی بقا کے لئے غذا، پانی کی ضرورت ہے اسی طرح اتباع شریعت اور عبادت الٰہی ایک مسلمان کی اجتماعی زندگی اور انفرادی زندگی کے لئے نہایت ضروری ہے۔

انسان اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں مسلمان ہونے کی حیثیت سے اسلامی اصول و آئین نافذ کرے تقویٰ۔ خشیت الٰہی۔ تزکیہ نفس، انابت الی اللہ۔ رضاء الٰہی، نیک اخلاق، مذہبی خودداری، قوت عمل، کمال ادب اور کمال صدق کے ہتھیار سے مسلح ہو جائے۔ مجال ہے کہ کوئی دشمن بھی آپ تک جرأت کرے اور آپ کو بری نگاہ سے دیکھ سکے۔ اگر کہیں اس انسان کو سکون اور اطمینان قلب نصیب ہو سکتا ہے تو صرف اطاعت خداوندی ہی میں ہے۔ اور اس کے رسول کی اتباع ہی میں ہے آج لوگ لاکھوں روپیوں کے مالک ہیں۔ عیش و تنعم اور شاہانہ ٹھاٹ کے سارے اسباب مہیا ہیں اور تہذیب و تمدن کی ساری سہولتیں میسر ہیں۔ مگر قلبی سکون حاصل نہیں۔ کہیں تو اپنی جان کا خطرہ ہے اور کہیں اپنی دولت کے نقصان کا دھڑکا ہوا ہے۔

جس کے دل میں جہاں بھر کے خوف و ہراس جگہ پکڑ چکے ہوں تو اس کے لئے اطمینان قلب اور سکون خاطر کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔

الا بذکر اللہ — آگاہ ہو جائیے کہ دل اللہ کی یاد
تطمئن القلوب ۔ — سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔

سوال وجواب

آئندہ ماہ سے آفاق میں سوال و جواب کا باب قائم کیا جاتا ہے ناظرین ہر قسم کے مذہبی، ادبی اور علمی سوالات روانہ کریں انشاء اللہ تمام سوالات بجنسہٖ نقل کر کے تشفی بخش جوابات دیئے جائیں گے۔

سوالات مختصر اور صاف تحریر ہوں۔ زبان اور انداز سوال شریفانہ اور سنجیدہ ہو۔ بصورت دیگر جواب نہیں دیا جا سکتا۔

مضمون نگار حضرات سے گذارش

ملک کے مضمون نگار حضرات اور شعرائے کرام سے گذارش ہے کہ وہ آفاق کی قلمی اعانت فرمائیں اور اپنے قیمتی رشحات قلم اور بیش بہا نتائج فکر ارسال فرما کر آفاق کو ممنون و شکر گذار فرمائیں۔

مضامین اور غزلیں صاف اور شستہ تحریر ہوں۔ اور صفحے کی صرف ایک جانب لکھی جائیں۔ تمام مضامین نظم و نثر ایڈیٹر کے نام روانہ کئے جائیں۔

ایڈیٹر۔ دفتر رسالۂ آفاق۔ نندیال۔ ضلع کرنول۔

مسلمان کا مال

مولانا عبدالسبحان صاحب اعظمی عمری

قومی ترقی و تنزل کیلئے جہاں بہت سے اسباب ہیں وہاں مال کا بھی بہت بڑا دخل ہے۔ درحقیقت مال کو قومی زندگی کی بنیاد کہنا چاہئے جس قوم کے پاس مال نہ ہوگا وہ کبھی ترقی کا منہ نہیں دیکھ سکتی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحیفہ میں لکھا ہے کہ جہاں دولت ہوتی ہے وہاں حکمت بھی ہوتی ہے اور جہاں دولت نہیں ہوتی وہاں حکمت کا بھی پتہ نہیں ہوتا۔ مگر یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ محض مال جمع کر لینے سے کوئی قوم کامیاب نہیں ہو سکتی بلکہ اصل سوال خرچ کا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ملیں گے جو برسوں کی محنت سے مال پیدا کرتے ہیں اور صرف چند ہفتوں میں اُسے بلا ضرورت لٹا ڈالتے ہیں۔ فلاسفر کہتے ہیں۔ کہ مال کا جمع کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا ایک وزنی پتھر کو لے کر پہاڑ پر چڑھنا اور اس کا خرچ کرنا اتنا ہی آسان ہے جیسے ایک پتھر کا بلندی سے لڑھکا دینا۔

غرض مال جمع کرنے کے بعد دوسرا سوال خرچ کا ہے اور یہی خرچ انسان کے عروج و زوال کا اصلی سبب ہے قرآن حکیم نے جابجا اس حقیقت کو بیان کیا ہے صرف ایک آیت ملاحظہ ہو:۔

واذا اردنا ان نھلك	جب ہم کسی گاؤں کو برباد
قریۃ امرنا مترفیھا	کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے
فحق علیھا القول	دولت مندوں کی تعداد
فدمرناھا تدمیرا	بڑھا دیتے ہیں اس لئے وہ

فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس وقت اس پر ہمارا قانون صادق ہوتا ہے اور ہم اس کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں،

جس طرح مال کا زائد خرچ قوم یا خاندان کو تباہ و برباد کر دیتا ہے، اسی طرح مال کا خرچ نہ کرنا اس قوم کو دنیا و آخرت دونوں جگہ مصیبتوں میں مبتلا کرتا ہے۔ دنیا کی مصیبت تو یہ ہے کہ وہ قوم غلامی کی زندگی بسر کرے گی اور اپنے تمام کاموں میں اسی طرح محتاج ہوگی جیسے ہمارے پالتو جانور اپنی حرکت کے لئے ہمارے اشارے کے محتاج ہوتے ہیں اور آخرت میں ان کو جو عذاب ملیگا اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:۔

والذین یکنزون	جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے
الذھب والفضۃ	ہیں اور انکو اللہ کی راہ میں
ولا ینفقونھا فی	خرچ نہیں کرتے انکو آپ
سبیل اللہ فبشرھم	اس دن کے دردناک عذاب
بعذاب الیم یوم	کی خبر سنا دیجئے جس دن کہ
یحمی علیھا فی نار	ان کو آگ میں تپایا جائے گا
جھنم فتکوی بھا	پھر ان سے انکی پیشانیوں
جباھھم وجنوبھم	اور انکی کروٹوں اور انکی
وظھورھم ھذا	پیٹھوں کو داغ دیا جائے گا۔
ما کنزتم لانفسکم	(ان سے کہا جائے گا) یہ
فذوقوا ما کنتم	وہی ہے جس کو تم نے اپنے
تکنزون۔	واسطے جمع کر کے رکھا تھا۔ اب

اپنے بیچ سکتے ہوئے کا مزہ چکھو۔

اس لئے اسلام نے خرچ کے تمام موقعوں کو ذکر کر کے ایک عام اصول بیان کر دیا ہے :۔

ولا تجعل یدک مغلولة الی عنقک	اپنے ہاتھ کو گردن تک نہ باندھ لے اور نہ اتنا
ولا تبسطها کل البسط فتقعد ملوما محسورا۔	پھیلا دے کہ تو شرمندہ ملامت زدہ خالی ہاتھ بیٹھ رہے۔

یہ ایسا بہترین اصول ہے کہ دنیا کی تمام قومیں اسی پر عمل کرتی ہیں وہ اپنی آمدنی کا ایک میزانیہ (بجٹ) تیار کر لیتی ہیں نہ اس سے کم خرچ کرتی ہیں اور نہ زیادہ لیکن جس وقت ہم مسلمانوں کی حالت دیکھتے ہیں تو سخت حیرت ہوتی ہے کہ وہ اپنے مذہب سے بہت دور ہیں۔ ان کا جتنا خرچ ہے یا تو اسراف میں داخل ہے یا بے جا اور بے ضرورت ہے۔ حالانکہ قرآن حکیم نے ان دونوں کی سخت مذمت کی ہے ان اللہ لایحب المسرفین۔ خدا اسراف کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین۔ بے جا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

مال خدائے تعالیٰ کا فضل ہے وابتغوا من فضل اللہ، اللہ کا فضل یعنی مال تلاش کرو۔ مسلمان کا مال اس کا نہیں بلکہ اللہ کا ہے وہ خدا کی امانت ہے اور مسلمانوں کے سپرد اس لئے کی گئی ہے کہ وہ اس کے جائز مصرف سے اپنی دنیوی اور اخروی زندگی کو کامیاب بنائیں۔

ان اللہ اشتری	اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی
من المومنین	جانوں اور مال کو جنت
انفسهم واموالهم	کے عوض میں خرید لیا ہے
بان لهم الجنة	کہ اللہ تعالیٰ کے راستے
یقاتلون فی سبیل	میں جنگ کریں۔ پس وہ
اللہ فیقتلون و	قتل کریں اور قتل کئے
یقتلون وعدا	جائیں اس پر خدائے تعالیٰ
علیه حقا فی	کا سچا وعدہ ہے۔ توراۃ
التوراة والانجیل	انجیل اور قرآن میں،
والقرآن ومن	اور جس شخص نے خدا کے
اوفی بعهده	اس وعدے کو پورا کیا ہے
من اللہ فاستبشروا	پس تمہیں اس بیع پر خوشخبری
ببیعکم الذی بایعتم	ہو جو تم نے اس کے ساتھ
به وذالک الفوز	کی ہے۔ اور یہی زبردست
العظیم۔	کامیابی ہے۔

دوسری جگہ فرمایا :۔

ولنبلونکم بشیء	ہم تمہیں خوف، بھوک،
من الخوف والجوع	مالوں، جانوں اور پھلوں
ونقص من الاموال	میں کمی کرنے کی صورت
والانفس والثمرات	میں ضرور آزمائیں گے اور
وبشر الصابرین۔	اے رسول تم صبر کرنے والوں
	کو خوشخبری دے دو۔

ایک اور جگہ فرمایا :۔

قل ان کان اباؤکم	اگر تمہارے باپ، تمہارے
وابناؤکم واخوانکم	بیٹے، تمہارے بھائی،
وازواجکم وعشیرتکم	تمہاری بیویاں، تمہارے
واموال اقترفتموها	قبیلے، تمہارے کمائے ہوئے
وتجارة تخشون کسادها	مال اور تجارت اور اچھے
ومساکن ترضونها	مکانات خدا اور اس کے
احب الیکم من اللہ	رسول اور اس کے
ورسوله وجهاد فی	راستے میں جہاد کرنے
سبیله فتربصوا	سے زیادہ پسندیدہ ہیں

حتیٰ یاتی اللہ بامرہ ۔ تو تم خدا کے حکم کا انتظار
واللہ لا یھدی ۔ کرو اور اللہ تعالیٰ کبھی،
القوم الفاسقین ۔ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہ تمام آیتیں بتا رہی ہیں کہ اگر مسلمان اپنے ملی اور قومی خدمات میں جانی اور مالی قربانیاں نہ کریں گے تو انکی زندگی تلخ ہو جائے گی۔ مسلمانو! خدا نے جس انتظار کی دھمکی دی ہے وہ تمہارے لئے نہیں بلکہ تم سے پہلے والوں کے لئے ہے کیونکہ تم وطنی اور ملی خدمات میں جانی اور مالی قربانی کی کوتاہی سے اپنے اعمال کی سزا بھگت رہے ہو آج تم غلام ہو اور ہر ایک انقلاب و حرکت کیلئے ایک آلہ ہے۔ جان یا مال تو جانوروں کی طرح دوسروں کے محتاج ہو، تمہاری قومیت اور ملیت کو فنا اور برباد کیا جا رہا ہے مگر تم کو شعور و احساس تک نہیں۔ اگر تم اس بیسویں صدی میں بھی نہ سنبھلو گے تو پھر کب سنبھلو گے جب کہ ہر طرف سے تمہارے کانوں میں یہ آوازیں آ رہی ہیں کہ اٹلی نے علم اور مال کی بدولت حبشہ جیسے آزاد ملک کو غلام بنا لیا۔ اور مغرور شہنشاہ حبشہ کو بیک بینی و دو گوش باہر نکال بھگایا۔ جاپان اپنی طاقت کو بڑھا کر آئے آئے دن چین پر دست درازی کر رہا ہے، جرمنی، روس کو دھمکی دیتا ہے۔ ہسپانیہ میں بغاوت پھیلی ہوئی ہے۔ امریکہ اور برطانیہ اپنی بحری طاقتوں میں اضافہ کئے جا رہے ہیں۔ جنگ عظیم میں اپنی ہستی اور حقوق کیلئے انگریزوں نے تین ارب پونڈ۔ فرانسیسیوں نے دو ارب پونڈ۔ جرمنوں نے تین ارب پونڈ اور اطالویوں نے پچاس کروڑ پونڈ خرچ کر ڈالے۔ روسیوں نے اپنا مال اس کثرت سے خرچ کیا کہ ان کے ملک میں ہر طرف قحط کی مصیبت ٹوٹ پڑی۔ یونانیوں کے مقابلے میں پرجوش ترکوں میں سے بعض نے اپنی دولت کا تیسرا حصہ اور بعض نے اپنی دولت کا نصف حصہ جنگ کی راہ میں قربان کیا اور یونانیوں کو وہ زبردست شکست دی جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آئی تھی۔ جنگ طرابلس میں مصریوں نے ایک لاکھ پچاس ہزار پونڈ اور حکومت عثمانیہ نے دس لاکھ پونڈ خرچ کر کے فرنگیوں کو یہ سبق دیا کہ مسلمان اب تک زندہ ہیں اور بغیر جنگ کے اپنے شہروں کو کسی کے سپرد نہیں کر سکتے۔ فلسطین کی تازہ مثال سامنے ہے کہ عربوں اور یہودیوں کے جھگڑے ہوئے تو یہودیوں نے فلسطین کے یہودیوں کے لئے دس لاکھ پونڈ جمع کر کے بھیجا اور مسلمانان عالم نے اپنے مظلوم بھائیوں کے لئے صرف تیرہ ہزار پونڈ بھیجا۔ ریف کے مجاہدوں کے لئے جبکہ فرانس اور اسپین کے تین لاکھ سپاہی ان کو گھیرے ہوئے تھے، اس وقت مسلمانوں نے بڑی مشکلوں سے محض پندرہ سو پونڈ چندہ جمع کر کے بھیجا تھا۔

مجھے دنیا کے مسلمانوں کی نہیں بلکہ ہندوستان کے مسلمانوں کی شکایت ہے کہ ہندوستان مفلس ہے اور اس کا اصل سبب غلامی ہے۔ مگر اس افلاس کے باوجود مسلمانوں کا ناجائز خرچ قابل حیرت ہے۔ ان سے جب کسی قومی اور مذہبی کام میں خرچ کیلئے کہا جاتا ہے تو اپنے افلاس کی رام کہانی سنانے لگ جاتے ہیں۔ لیکن شادی بیاہ کے موقعوں پر، مجالس میلاد کے سلسلے میں کھانوں پر اور دوسری وقتی رسموں میں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کے مسلمان سال بھر میں کم و بیش لاکھوں روپیہ خرچ کر ڈالتے ہیں، وہ اپنی ہمسایہ قوموں کی طرح اپنا مال تجارت یا تبلیغ میں نہیں دیتے بلکہ رسم و رواج کی نذر کر دیتے ہیں، وہ اپنے مال کی خیرات و زکوٰۃ دیتے ہیں مگر بھیک مانگنے والوں کی تعداد گھٹانے کے لئے نہیں، بلکہ بڑھانے کے لئے۔ مسلمانو! یاد رکھو تمہاری عزت اور شرافت دنیا کی تمام قوموں کی عزت سے بڑھ کر ہے،

ایک مسلمان کے لئے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا شرم اور ذلت ہے۔ مگر آج دیکھو ہندوستان کے مسلمان بچوں جوانوں، بوڑھوں اور عورتوں کی بڑی تعداد اس ذلت میں مبتلا ہے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد سودی لین دین کی وجہ سے قرض کی زنجیروں میں جکڑی ہوتی ہے غریب مسلمانوں اور یتیم بچوں کو مال کا لالچ دے کر دین اسلام سے برگشتہ کیا جا رہا ہے۔ مسلمانو! اگر تم اپنا مال خرچ کرکے ثواب حاصل کرنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے ان مسلمان مردوں اور عورتوں کی عزت بچاؤ جو شہروں میں بازاروں میں گلی کوچوں میں، گاؤں اور دیہاتوں میں گھوم گھوم کر چند پیسوں کی خاطر اپنی عزت و آبرو بیچتے پھرتے ہیں۔ ان مسلمانوں کی عزت کو بچاؤ جو قرض کے بوجھ سے اپنی جائدادوں اور مکانوں تک کو بیچ کر ایک ایک لقمے کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھو ایک مسلمان کی عزت و آبرو کو بچانا سب سے بڑا ثواب ہے، اگر تم دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو اپنی ناجائز ضرورتوں کے خرچ کو یک لخت بند کر دو۔ تمہاری جیب سے اگر ایک پیسہ بھی خرچ ہو تو قومی، مذہبی اور علمی کام میں خرچ ہو۔ تمہارے افلاس کا عذر لوگوں کے پاس مقبول ہو سکتا ہے تو ہو، خدا کے پاس ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص امیر ہو یا غریب اسکی حیثیت کے مطابق اس کو قومی اور مذہبی خدمات میں مال کی قربانی ضرور کرنی پڑے گی لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا۔ اللہ کسی شخص کو اس کی حیثیت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اگر ایک گاؤں میں سو مسلمان ہوں اور وہ سالانہ صرف دو آنے اپنے مال کا خرچ کریں تو ایک سال میں ساڑھے بارہ روپیہ جمع ہو سکتے ہیں۔ اور اتنی رقم سے ایک بھیک مانگنے والے کے لئے تجارت کا انتظام کر دیا جائے تو بھیک منگوں کی تعداد میں رفتہ رفتہ کمی ہو جائے گی۔ مسلمانو! اگر تم کو اللہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ اگر تم مسلمان ہو اور دوسری قوموں کو اپنی زندگی کا ثبوت دینا چاہتے ہو تو بس اس مضمون کو پڑھ لینے کے بعد اپنے مال کو رسم و رواج کی نذر کرنے سے رک جاؤ اور ہمیشہ کے لئے اللہ سے عہد کر لو کہ آئندہ تم اسی موقع پر خرچ کرو گے جہاں اللہ نے حکم دیا ہے اور جب کسی قومی اور ملی خدمات کی ضرورت ہوگی تو تم مالی قربانی سے ہرگز دریغ نہ کرو گے۔

وما علینا الا البلاغ

ہم مصری بھی مہذب ہیں!

(از جناب مولوی شیخ غلام رسول صاحب کرپوی اردو لیکچرار نائجیریا یونیورسٹی)

امریکہ کے اخبار "ٹائمز" میں ایک خبر شائع ہوئی تھی کہ مصر کی ایک عام شاہراہ پر ایک نوجوان مرد و عورت ہاتھوں میں باہیں ڈال کر لطف سیر اٹھا رہے تھے۔ ایک پولیس والے نے انہیں گرفتار کر کے حوالات میں بند کر دیا۔ ان کے خلاف یہ فرد جرم لگائی گئی کہ ان دونوں نے ایک شاہراہ عام پر غیر شریفانہ فعل کیا ہے۔ مجسٹریٹ نے دونوں کو سزا سنا دی اور اپنے فیصلے میں لکھا کہ اس قسم کی حرکات مصر کی قومی روایات کے خلاف ہیں۔ شاہراہ پر چلتے وقت مرد و عورت کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے وہ تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ پبلک کے سامنے ہیں۔

اس فیصلے کے خلاف اپیل کی گئی اور مجرموں کے وکیل نے اختتامی بیان میں یہ آخری فقرہ کہا جو اس کی تقریر کی جان تھا۔

"ہم مصری مغربی اقوام سے کچھ کم تہذیب یافتہ نہیں!" جج نے مجرموں کو بری کر دیا۔

وکیل اپنے دعوی میں بالکل سچا ہے۔ کہ مصر کسی طرح بھی مغربی اقوام سے کم تہذیب یافتہ نہیں ہے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہاں کی نسل کی اٹھان تو مغربی تہذیب کی بنیادوں پر ہو اور تعلیم کا نقشہ وہی ہو جو مغرب نے اختیار کر رکھا ہو تو نئی نسل کے لئے کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اس آزاد اور غیر شریفانہ ماحول میں پرورش پائیں اور پھر اپنے کو ان اثرات سے بچائے رکھیں۔ جو نتیجۃً اس پر مترتب ہوتے ہیں۔ یہ عام فہم بات ہے کہ جس قسم کی تعلیم و تربیت ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ بھی اسی قسم کا ہوتا ہے۔ یہ امید کیسے کی جا سکتی ہے کہ ہم بیج تو بوئیں آم کا اور پھل آئے آم کا۔

یورپ نے عورتوں کی ترقی چاہی اور یہ بھول گیا کہ مرد اور عورت دو الگ جنس ہیں۔ یہ ایک بنیادی مسئلہ تھا جس کا صحیح حل ان کی تہذیب کی بنیاد بن سکتی تھی۔ مگر اس نے ترقی کے خیال خام میں اس مسئلہ پر کما حقہٗ غور نہیں کیا۔ اور سرسری نظر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ عورتوں کے اندر بھی وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جو مرد کے اندر ہیں اور فیصلہ کر دیا کہ وہ زندگی کے ہر میدان میں مردوں کے دوش بدوش حصہ لے سکتی ہیں۔

اس غلط فیصلہ کا نتیجہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کہ اس تہذیب کے بانی اور پیشوا اس کے تلخ ثمرات سے نالاں ہیں۔ اور اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے کے لئے بیتاب ہیں۔

اس غلط فیصلہ کی وجہ سے پوری مغربی سوسائٹی کے اندر بد اخلاقی اور فحش کاری پھیل گئی ہے۔

اس قانون کے نفاذ کے بعد مغربی سوسائٹی میں کوئی بات اخلاقی حسن رکھنے والی نہ رہی۔ اس غیر اخلاقی سوسائٹی نے اپنی کنواری اور جوان لڑکیوں کو اس بات کی اجازت دیدی ہے کہ وہ آزادانہ طور پر اپنے حسن کا مظاہرہ کریں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اپنے حسن کا شکار بنائیں۔ بعض لڑکیاں اس بات پر فخر کرتی ہیں کہ ان کے عاشق زیادہ تعداد میں ہیں۔ گویا ان کے پاس اپنی عصمت کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ بلکہ حسن اور عصمت کو ایک مارکٹ کی تجارتی خیال کر لیا گیا ہے۔ اور گاہکوں کو متوجہ کرنے کے لئے ہر جائز و ناجائز طریقوں کو کام میں لایا جاتا ہے۔ جب ان پلی ہوئی دوشیزاؤں کی شادی ہوتی ہے تو وہ اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کرتی ہیں کہ اپنی [illegible] کی رنگین اور کردہ داستان کو چھپائیں۔ بلکہ معاشقوں اور رنگینیوں کا ذکر آپس میں کچھ اس بے تکلفی سے کرتی ہیں گویا کسی کھیل کا ذکر ہو رہا ہے۔ نکاح کے موقع پر دولہا میاں جو اپنی دلہن کی سابق زندگی ہی سے نہیں بلکہ اس کے ان دوستوں تک سے واقف ہوتے ہیں جو آج کے

اس کے جسم سے لطف اندوز ہو چکے ہیں۔ ... مغربی تعلیم کی بنیاد غلط طریقہ تعلیم کی خرابی کا بیڑہ سر کرتا

آتا ہے۔ اگر اس مسئلہ پر نفسیاتی نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالی جائے تو اس طریق تعلیم کا بودا پن معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ جوان لڑکوں اور لڑکیوں کے سامنے دلفریبیوں اور رعنائیوں کی دلچسپ نمائش ہو اور پھر دونوں اپنے جذبات پر قابو رکھیں۔ وہ منظر تو رنگینی اور جذبات سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ جبکہ جوان لڑکے اور لڑکیاں اپنی پوری رعنائی کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابل بیٹھتے ہیں۔ نئی تہذیب نے حسن کی افزائش اور اس کو جاذب نظر بنانے کے لئے بہت سی ایجادات بخشی ہیں۔ لڑکیاں ان تمام اسلحہ سے مسلح ہو کر مدرسہ تک آتی ہیں۔ ابھی [illegible] کا حصہ کچھ اس طرح اپنے سینے سے چپکا لیتی ہیں کہ جسم کے نشیب و فراز اور زیادہ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ جب ماحول اتنا جذبات انگیز اور ہوش ربا ہو تو ان سے یہ امید کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے جذبات پر قابو رکھیں گے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ دریا میں غوطہ لگانا بھی چاہیں اور دامن کو تر ہونے سے بچانا بھی چاہیں۔

اس غلط طریقۂ تعلیم پر اظہار خیال کرتے ہوئے چرچ آف انگلینڈ کے ایک پادری نے [illegible] کالج میں ایک اجتماع کو مخاطب کر کے کہا کہ امریکہ میں اخلاق کا معیار گرتا جا رہا ہے۔ آپ نے کہا کہ امریکی ہائی سکولوں میں طلباء میں جنسی مخالطت کی وبا عام ہو چکی ہے۔ امریکہ کے بالغ لڑکوں میں سے نوے فیصدی اور طالبات میں سے [illegible] فیصدی شادی سے قبل باہم جنسی تعلقات رکھتے ہیں۔ اخلاق کے اس تنزل کا سبب مخلوط تعلیم ہے جو امریکہ میں تقریباً ہر سکول اور کالج میں رائج ہے۔

اس طرح مرد و عورت کے صحیح تعلقات قائم نہ کر سکنے کی وجہ سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ نوجوان طبقہ کی جسمانی قوت گرتی جا رہی ہے۔ اس کا صحیح اندازہ وہ حضرات لگا سکتے ہیں جنہوں نے مغربی سوسائٹی کا عینی مشاہدہ کیا ہے۔ لاکھوں نوجوان امراض خبیثہ کے شکار ہو گئے ہیں اور یہ وبا کی طرح پھیل رہے ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگی کے دن وہاں گزارے ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں وہاں کے مرد اور عورتوں کی جسمانی حالت کیا ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ملک کی حفاظت کرنے والے وطن پرستوں کی حفاظت کے لئے رقص گاہیں، شراب خانے، اسٹوڈیو وغیرہ کھول رکھے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان وطن پرستوں کی اخلاقی جسمانی قوتیں پامال ہونے سے بچائیں۔ اور ان کے ملک کو اس بات کا موقع ہی نہ دیا جائے کہ وہ کسی اور عنوان پر سوچ سکیں۔

جب رقص خانہ کھلتا ہے تو ان دیوتاؤں اور دیویوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ شراب کی بوتلیں ناچتی رہتی ہیں۔ پورا رقص خانہ نمونۂ بہشت معلوم ہوتا ہے۔ یہاں ان نوجوان اور معصوم لڑکیوں کی عصمت کی رضا کارانہ پیشکش ہوتی ہے۔ [illegible] لڑکیوں کے لئے سم قاتل ثابت ہوتی ہے۔ یہ پیشکش صرف ایک آدھ ہی رہ کر ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کا علیحدہ قیام گاہ کے تمام کا [illegible] کھلا ہوا ہوتا ہے۔ اور [illegible] عام ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ بیماری ہی ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں نوجوان اس [illegible] کے شکار ہوتے ہیں۔ اور امراض خبیثہ ان کو وقت سے پہلے بوڑھا بنا دیتے ہیں۔

جب عورت کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ میدان عمل میں مرد کے دوش بدوش چلے تو اس کا لازمی نتیجہ خاندانی نظام کی بربادی ہے۔ عورت گھر کا ایک ضروری حصہ بنکر نہ رہیگی۔ بلکہ ایک غیر ضروری حصہ بنجائیگی۔ وہ نہ چاہے گی کہ اس پر گھر کی ذمہ داریاں پڑیں۔ مرد عورت کے درمیان کوئی اخلاقی تعلق نہیں ہوتا صرف حیوانی خواہشات کو پورا کرنے کا ایک ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ان میاں بیوی سے جو اولاد ہوگی اس کی پرورش ماں نہیں کرے گی۔ بلکہ ایک آنا کریگی۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ بچہ کی پرورش میں ماں باپ کے اخلاق کا کافی حصہ ہوتا ہے۔ جب ماں ان ذمہ داریوں کو لینے سے انکار کر دے تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آئندہ کی نسل کی حالت اس بکری کے بچے کی سی ہوگی جس نے اپنی پیدائش کے بعد دوسری بکریوں کا دودھ پی کر پرورش پائی ہو۔

یہ ہیں مغربی تہذیب کے برکات۔ اگر مسلمانوں کی حکومتوں نے بھی اسی تہذیب کو جوں کا توں قبول کر لیا تو اس کے نتائج سے وہ کیسے گریز کر سکتے ہیں۔ اگر شاہراہ عام پر ایک عورت غیر مرد کے ساتھ باہوں میں باہیں ڈال کر الفت کے گیت گا رہی تھی۔ تو اس نے کونسی غلطی کی۔ یہ لازمی نتیجہ تھا اس تعلیم کا جو نئی نسل کی اٹھان میں حصہ لے رہی ہے۔ یہ خرابی صرف مصر ہی میں نہیں۔ بلکہ ہر مسلم حکومت میں ہے۔

ایران کے حالات پر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ وہاں کا ماحول آج اتنا ہی گندہ ہے جتنا امریکہ کا۔ قہوہ خانوں میں جا کر دیکھئے تو آپ دیکھیں گے کہ عورتیں مردوں کے ساتھ بیٹھ کر لطف صحبت اٹھاتی ملیں گی۔

ابھی ان ممالک کے لئے وقت ہے کہ سوچیں اور اپنی آنے والی قسمت کا فیصلہ کریں۔ اگر وہ مغربی تعلیم کو جوں کا توں اپنے ممالک میں رائج کر رہے ہیں تو انکا اس تعلیم کے نتائج سے دوچار ہونا یقینی ہے اور تیار ہو جانا چاہئے جس کی دہشت ناکی سے آج یورپ کانپ رہا ہے اور اپنے غلط نسخے کی تجویز پر رو رہا ہے۔

خطاب بہ مسلم!!

(از جناب ابوالعباد حاجی عزیز : گھوری)

تجھ سے برگشتہ جو اے مسلم تری تقدیر ہے — وائے ناکامی کہ اب بے سود ہر تدبیر ہے
تیری ہستی عالم ہستی میں بے توقیر ہے — تیری غفلت ہی جہاں میں باعث توقیر ہے
عازم پیکار ہیں تجھ سے زمین و آسماں — کس قدر تقدیر برگشتہ خفا تدبیر ہے
یہ خموشی، یہ تغافل، اور یہ خواب گراں — زندگی تیری کتاب مرگ کی تفسیر ہے
دیکھ ہر اک قوم ہے دنیا میں سرگرم عمل — مسلم ناداں مگر تو دشمن تدبیر ہے
حسن کوشش سے ہوئے ہیں اہل مغرب سربلند — اوج پر اُن کا درخشاں نیر تقدیر ہے
کارزار دہر میں زندہ رہیں گے بس وہی — جن کے ہاتھوں میں ہمیشہ تیر ہے شمشیر ہے
آہ کل تک جو ہمارے بندۂ بے دام تھے — آج اُن میں علم و عقل و جاہ کی تکثیر ہے
تیرے غم خانے پہ چھائی ہے اُداسی ہر طرف — تیرے غم خانے کی یہ عبرت نما تصویر ہے
کیوں نہ ہو شرم و ندامت تجھکو حاصل اے عزیز — ہستیٔ مسلم جہاں میں آج بے توقیر ہے

تاریخ و تذکرہ —

اقبالؔ اور قرآن

مولانا سید صبغۃ اللہ بختیاری صاحب

خودی حقیقت میں انسان کے اندر ایک نورانی جوہر ہے انسان کی زندگی اور اس کے تمام لوازم و آثار سب کچھ خودی کے مظاہر ہیں۔ انسان [illegible] یکتائی، وحدت اور انفرادیت خودی ہی کی بدولت [illegible] ہے۔ خودی ہی کی وجہ سے حسن و توازن تفریق و تمیز کی جاتی ہے [illegible] سے خودنگری، خودگری، منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہیں۔ انسان کا اپنی فطرت سلیم پر قائم رہنا اپنے وجود کو ایسا استقلال و استحکام بخشنا جس کے باعث مادی حیات میں اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی تمام ظاہری و باطنی قوتیں کام میں لائی جائیں۔ اُٹھنا، اُٹھانا، اُڑنا، اُڑانا، دوڑنا، دوڑانا، چلنا، چلانا مرنا، مارنا اور پھر سب پر ہویدا و آشکارا ہو کر اپنی حقیقت سے روشناس کرانا یہ سب کچھ خودی کے نتائج ہیں۔ الغرض وہ تمام قوائے فطریہ جو فاطر السموات والارض نے انسان کو عطا فرمائے ہیں۔ ان کو صحیح طریقے کے ساتھ برمحل استعمال کرنا اور ان کی اس طور پر نگہداشت کرتے رہنا کہ کوئی قوت ضائع نہ ہو جائے، یہ سب خودی کے کرشمے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے متقین کے خصائص و لوازم میں ایک چیز بیان فرمائی ہے "مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ" "ہم نے جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں" تو اس آیت کریمہ کا مطلب محض انفاقِ مال ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس میں ہر قسم کی قوتیں اور طاقتیں آجاتی ہیں۔ جانی، مالی، بدنی تمام قوتوں کو اللہ تعالےٰ کے لئے وقف کر دینا اس میں داخل ہے۔ اس کے لئے اقبالؔ نے "خودی" کی تعبیر پیدا کی ہے۔

خودی کی پہلی منزل یہ مادی عالم ہے جہاں اس کی پرورش و تربیت کی جاتی ہے، دنیا میں انسان کے پیدا ہونے کا مقصد وحید یہی ہے۔ کہ وہ اپنے خالق و فاطر کے منشا کے تحت سعی تخلیق کرے۔ اور اس کے لئے ان تمام فطری قوتوں اور صلاحیتوں سے کام لے جو اس کو ادائے "خلافت الٰہیہ" کے لئے عطا کی گئی ہیں اس زندگی کے بعد بھی "خودی" کی ایک منزل آتی ہے۔ اگرچہ بیچ میں موت حائل ہے۔ جو مادی زندگی اور روحانی حیات کے درمیان صرف "وقفہ" سکون کا نام ہے۔ لیکن اگر انسان نے اپنی مادی زندگی کو خودی سے مستحکم کر لیا۔ تو اس کو روحانی زندگی میں کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ جس انسان کی خودی ناتربیت یافتہ ہوگی وہ موت کا صدمہ برداشت نہ کر سکے گا۔ پھر اس کے بعد جاودانی سرور اور سرمدی حیات سے محروم رہ جائے گا۔

خودی کے راستے میں مادیات اگرچہ سب سے بڑی روکاوٹ ثابت ہوتی ہیں۔ مگر اس کے حائل ہونے سے مردانہ وار مقابلہ کرنے کی قوتیں ابھرتی ہیں۔ اور مادیات کو اپنا خادم بنالینے کا موقع مل جاتا ہے۔ مادیات پر غالب آنے کے بعد زمانے پر بھی غلبہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ خود زمانہ پر غالب آ کر اس کو مغلوب کریں اور زمانے کی رو جس طرف بہائے نہ بہہ جائیں بلکہ اس کی بجائے خود زمانے کے رُخ کو موڑ دیں۔ اور اس کے لئے پیہم کوششیں اور متواتر کاوشیں جاری رکھیں۔ جب خودی کی حقیقت معلوم ہو چکی تو اب یہ بھی معلوم کر لینا چاہیئے۔ کہ خودی کی تربیت، بقا و استحکام کس طرح حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے پہلی "اطاعت" یعنی "آئین فطرت" کی پابندی

اور دستور الٰہی کی تابعداری اس آئین کی پابندی غلامی نہیں تمام دنیا کی غلامیوں سے نجات کلی ہے۔ دوسری بات "ضبط نفس" یعنی انسان کا نفس خود اس کے قبضہ میں رہے نہ کہ انسان اپنے نفس کے قبضہ میں چلا جائے۔ کہ جدھر نفسانی خواہشات لے چلیں "شتر بے مہار بن" چلا جائے۔ اگر نفس پر قابو نہ پایا گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نفس پر دوسروں کا غلبہ تسلط اور استیلا ہو جائے گا۔ اور اسی ضبط نفس کے لیے اسلامی ارکان نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج بہترین ذرائع ہیں۔ اور جب انسان ان کی مدد سے نفس پر قابو کر لیتا ہے تو اس کامل غیر اللہ کی غلامی سے آزاد ہو جاتا ہے اور غیر اللہ کی محبت سے نجات مل جاتی ہے۔ نماز کیا ہے "صدف توحید" گو کہ ہر مومن کی معراج، اور قلب مومن کے لئے حج اصغر ہے۔ مسلم کے ہاتھ میں ایک تیز خنجر کی طرح ہے جس سے بے حیائی اور بدکاری کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ "روزہ" کیا ہے؟ بھوک اور پیاس کے لشکر کو شکست دیتا ہے تن پروری کے خیبر کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ زکوٰۃ مال کی محبت کو کم کرتی ہے۔ بگراں زیادہ کر دیتی ہے اور مساوات پیدا کر کے بنی نوع انسان کے ساتھ مساوات سکھاتی ہے حج کے باعث مسلم کو راہ حق میں گھر بار چھوڑ کر نکل جانا آتا ہے۔ حج ہجرت آموز اور وطن سوزی کا سب سے بڑا سبب ہے۔

تیسری چیز نیابت و خلافت الٰہی ہے یعنی انسان اپنی خودی کی تربیت کرتے کرتے انسانیت کے مرتبہ کمال پر فائز ہو جاتا ہے تو اللہ کی زمین پر اللہ کا خلیفہ بن جاتا ہے پھر اس کی علمی و عملی قوت کے آگے تمام کائنات سربسجود ہوتی ہے اور نوامیس کائنات کی تسخیر سے کام لیتا ہے تمام دنیا میں خلیفۃ اللہ کے منصب پر کاربند رہ کر وہ خدا کی حاکمیت علی الاطلاق کا ڈنکا بجا دیتا ہے چونکہ اس مرتبہ پر پہنچ کر انسان کامل کو صرف اللہ ہی کی حکومت و حاکمیت کا بول بالا کرنا ہے۔ اس لئے "صبغۃ اللہ" کے رنگ میں رنگ دینے کی کوشش کرنی چاہیئے اس کے لیے جہاد کرنا پڑیگا۔ اگر جہاد کا مقصد اللہ کی حاکمیت و حکومت کے قیام کے علاوہ کسی غیر اللہ کی حکومت و حاکمیت کا قیام ہو تو یہ ایک بدترین فعل ہوگا۔

الحاصل خودی اور اس کی تربیت کے اسباب کی یہ مختصر سی کیفیت ہے۔ اب "بیخودی" پر بھی ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ خودی کا تعلق انفرادیت سے ہے اب بیخودی کو یوں سمجھئے کہ وہ "اجتماعیات" سے متعلق ہے۔ یعنی فرد اپنی خودی کی تربیت کے بعد "جماعت" میں گم ہو جائے۔ اور جب خود کے اندر اس درجہ محویت و استغراق کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ جماعت کے لئے بالکل ظاہری و باطنی حیثیت سے جماعت ہی کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے۔ شخصی ہیئت کا اجتماعی ہیئت کے ساتھ وابستہ ہو جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرد کی ذات بہت سی ایسی برائیوں سے محفوظ و مصئون ہو جاتی ہے جو انفرادی حالت میں اس سے دور نہ ہو سکتی تھیں۔ اور جب یہ ربط و ضبط کامل ہو جاتا ہے تو فرد اپنے وجود میں خود ایک جماعت کا سا حکم پیدا کر لیتا ہے اور ایک شخص واحد ہی وہ کام انجام دیتا ہے جو بڑی جماعت سے ہو سکتا ہے۔

جس طرح فرد کے لئے اپنی خودی کی تربیت کے واسطے چند چیزوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ اسی طرح جماعت کی تربیت ترقی بقا اور استحکام کے لئے بھی اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ کوئی ایسی "شخصیت کبریٰ" موجود ہو جس کی وجہ سے مرکزیت پیدا ہو جائے۔ اور جماعت کا شیرازہ بکھرنے نہ پائے۔ یہ مرکزی شخصیت رسول و نبی کی ہوتی ہے۔ جس کی زندگی ایک زبردست عملی نمونہ اور بہترین اسوہ ہوتی ہے۔ جو عقل و فہم کی زنگ آلودگیوں کو دور کر کے ان کو روشنی اور نور بخشتی ہے۔ دلوں کو باطنی امراض سے نجات دلاتی اور صفائی و تزکیہ سے ہم آغوش کر دیتی ہے جس کا انحصار ایک آئین کی پابندی پر ہوتا ہے۔ اس آئین کے دو رکن ہیں۔ ایک توحید دوسرا رسالت توحید جماعت کی روح ہے جس کی وجہ سے دلوں میں یکسانی، دماغوں میں ہم آہنگی جذبات میں وحدت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام بندیل

جذبات اور کینہ اور صاف مایوسی، رنج و غم، کم نصیبی، کم ظرفی، اور پستی وغیرہ اور جو بستے ہیں۔ اور عزائم میں بلندی، حوصلوں میں پختگی، خیالات میں برتری پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر توحید کی ضد شرک ہے جس کی وجہ سے تمام باطنی خرابیاں۔ روحانی بیماریاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ بالآخر جماعت کی روح نکل جاتی ہے۔ اور تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى (سورۂ حشر) کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کا لازمی نتیجہ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا ظاہر ہو جاتا ہے۔

دوسرا رکن رسالت ہے۔ یہ وہ جلیل الشان منصب ہے جو کسی جلیل القدر انسان کو کسی اکتساب کے بغیر موہبت الٰہی کے طور پر عطا فرمایا جاتا ہے۔ اور تمام فطری صلاحیتیں اپنی پوری پوری بلندیوں کے ساتھ اس انسان میں موجود ہوتی ہیں، اس منصب جلیل پر فائز ہو کر وہ عظیم المرتبت ہستی عالم قدس کے رسول اور پیغمبر کی حیثیت سے نوع انسانی کی بہترین عمدہ راہنمائی کرتی ہے۔ جس سے انسانی دنیا غیر اللہ کی غلامی سے کامل آزاد ہو کر سچے خدا کی غلامی میں پابند ہو جاتی ہے۔ "غلامی ہی حقیقت میں حریت" ہے۔ جس کے بعد صحیح اخوت، صالح مساوات، اور عمدہ ملکات پیدا ہو جاتے ہیں پھر تمام انسانوں کی حیثیت ایک جماعت کی ہو جاتی ہے۔ یہ جلیل القدر منصب نبوت و رسالت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا۔ اب آپ کے بعد کوئی دوسرا رسول و نبی آنے والا نہیں البتہ "امت محمدیہ" دنیا کی قوموں اور ملتوں کے لئے اس رسول کے اسوہ پر چل کر نمونہ بن جائے گی، اور جس طرح رسول خاتم الرسل ہے اسی طرح اُمت محمدیہ خاتم الامم ہے۔ اس کے بعد کوئی اُمت نہیں جو دنیا کی قوموں کی پیشوائی کے لائق ہو سکے۔ اس جماعت کا کام قرآنی پیغام یعنی آئین اور اسوۂ رسول کا پابند ہو کر تمام قوموں پر شہادت دینا ہے کہ کون کون باطل رسموں میں مبتلا ہے اور کس طرح انسانیت کے شرف و امتیاز کو تغیر

اللہ کی پرستاری و عبودیت میں سرشار ہے یہ جماعت جو در حقیقت شاہد علی الاقوام بن کر تمام قوموں سے چھانٹ کر بنائی گئی ہے۔ بے زمانی، بے مکانی، ہوگی۔ یعنی کوئی زمان و مکان اس کی ترقیات کو محدود نہ کر سکیں گے۔ مگر اس بے زمانیت و بے مکانیت کے باوجود وہ جس طرح زمان و مکان میں ہوگی۔ اس کو اپنے آئین کے مطابق ڈھال لے گی۔ ؎

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گل بھی ہے
انہیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے

حاصل کلام یہ ہے خودی کی حقیقت یہ ہے کہ انفرادی تربیت دیکھنے کے بعد فرد صالح و جماعت صالحہ کا نمونہ بن جائے۔ یہی چیز تفصیلی طور پر اسرار خودی اور رموز بے خودی میں علامہ اقبال نے بتلائی ہے۔ اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیا جائے۔ تو اقبالیات کے فہم و ادراک میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

اس قدر اقبال کی شخصیت اور ان کے اسلامی پیام کی نوعیت واضح کر دینے کے بعد اس کے اہم پہلو قرآنیات پر ہم کچھ عرض کریں گے۔

اقبال کا پیام جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے سراپا اسلام ہے اس لیے جس قدر زمانہ گزرتا گیا۔ ان پر یہ رنگ زیادہ ہوتا گیا یہاں تک کہ اخیر زمانے میں "تدبر فی القرآن" ہی ایک شغل رہ گیا تھا اور بالکل آخری عمر میں تو قرآن عزیز کی ایک نئی تفسیر انگریزی زبان میں لکھنے کا غایت درجہ کا شوق ہو گیا۔ مگر افسوس کہ یہ کارنامہ نہ ہو سکا۔ پھر بھی اقبال کے کلام سے تفسیر قرآن کے بے شمار نکات و معارف مرتب کئے جا سکتے ہیں۔ خاص طور پر اقبال سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ اقبال کا کلام قرآن سے الگ کر کے نہ پڑھیں۔ بلکہ قرآنی علوم کے ساتھ پڑھے جائیں اور محسوس کرتے جائیں۔ کہ کس طرح انہوں نے حقائق قرآنی پیش کئے ہیں۔ چنانچہ اپنے متعلق اقبال کا کتنا اچھا فیصلہ ہے۔ یہی چیز اقبال پسندوں کی راہنما بن سکتی ہے ؎

میرے اشعار میں پھنس کر نہ رہ جا

اگر تو سالکِ راہِ یقین ہے
تری نظروں میں ہیں میری تصانیف
مری نظروں میں قرآں میں ہے
گذر جا تو مری بزمِ سخن سے
رہِ قرآں میں گام اولیں ہے
جو تو اس طرح قرآن تک پہنچ جائے
تو حاصل دولتِ دنیا و دیں ہے
محیطِ کائنات دل ہے قرآن
نظر کی آخری منزل ہے قرآن

ایک اور جگہ قرآن کے فہم کے نتیجہ کا کتنا اچھا معیار پیش کیا ہے سے

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف

جب قرآن کے مقاصد کے لئے شرحِ صدر نہ ہو جائے محض امام رازی کی تفسیر مفاتیح الغیب کھول کر پڑھتے رہنا یا علامہ جار اللہ زمخشری کی تفسیر کشاف کی ورق گردانی کچھ کام نہیں دے سکتی چنانچہ آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ بہت سے لوگ محض کتابوں کے مشغلہ میں لگے رہتے ہیں۔ اور تفسیر قرآن کا وہ ذخیرہ جو ایک خاص ماحول یا خاص زمانے کی پیداوار ہے، ضروری سمجھ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ قرآنی تعلیمات کو حال کے بجائے حال بنانے کی سخت ضرورت ہے۔ دیکھئے تمام تفسیری ذخیرہ دیکھئے۔ متقدمین و متاخرین تمام کی تفسیریں دیکھئے مگر اس کو نہ بھول جائیے۔ کہ یہ کائنات اور اس کی آفاقی و انفسی نشانیاں خود کتاب اللہ کی تفسیر کر رہی ہیں۔ مگر ضرورت ہے کہ اس کو اس ذوق و وجدان کے ذریعہ سمجھا جائے۔ جو سوز و گداز اور روح کی بے تابی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور قرآن عزیز کو پڑھ کر ضرورت ہے کہ اپنے حالات پر چسپاں کیا جائے۔ اور اسی کی روشنی میں اپنی اصلاح کی جائے اور غور کیا جائے کہ "انتم الاعلون" کا وعدہ کس شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ اس کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے سے

اے کہ گم شو بہ قرآں و خبر
باز اے ناداں بخویش اندر نگر
در جہاں آوارہ بیچارۂ
زانکہ حق گم کردۂ وا ماندۂ!

غرض دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک قرآن و خبر یعنی حدیث میں گم ہو جانا پھر ان دونوں سے حاصل ہونے والے نورِ بصیرت سے اپنی حالت کا غور نہ کریں، اور ان اسبابِ علل تک پہنچ جائیں جن کی وجہ سے ہم میں ذلت و نکبت، بے حالی، بے چارگی اور آوارگی پیدا ہو گئی ہے۔ ایک مقام پر معانی قرآن کے متعلق فرماتے ہیں۔ کہ ہمارا ضمیر خود اس کی تفسیر مجسم ہے اور استشہاد فی القرآن کے لحاظ سے کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ایک "آتش خرد" ہے، دوسرا "دل" ہے جو خلیل ہے "دل"، اگر آتش خرد سے جل نہ جائے تو سمجھو کہ "مقام خلت" پر فائز ہو چکا ہے۔ اس حقیقت کی ترجمانی حضرت صوفیائے کرام کی بھی فرماتے ہیں سے

زرازی معنی قرآن چہ پرسی
ضمیر ما بہ آیاتش دلیل است
خرد آتش فروزد و دل بسوزد
ہمیں تفسیر نمرود و خلیل است

غرض یہ ہے کہ علامہ نے عجیب و دلچسپ اور عمدہ انداز میں قرآن حکیم کے اسرار فاش کئے ہیں اور ایسے اعتبارات اور لطائف پیش کئے جن کو پڑھ کر روح میں بالیدگی اور ذہن میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔

اس قدر عرض کرنے کا مقصد یہی تھا کہ "قرآنی حقائق" کی ترجمانی اقبال نے کی ہے آپ اس کو اس مقصد کے علاوہ دوسرے نقطۂ نظر سے نہ دیکھئے سے

من اے میر امم داد از تو خواہم۔ مرا یاراں غزل خوانے شمردند

اس مختصر سی گذارش کا حاصل یہ تھا کہ محض غزل خوانی کی حد تک اس ترجمانی حقیقت کو نہ محدود کر دیجئے وہ تو فطرت کے رازہائے سربستہ

بیجاپور

از مولوی عبدالباری صاحب حاوی

آہ بیجاپور! اے گہوارۂ تہذیب پار   سرمۂ چشم جہاں ہے آج بھی تیرا غبار
سرزمین ہند کو تجھ پر بجا ہے فخر و ناز   چہرۂ دکن پہ ہے ہستی تری غازہ طراز
تیری ہر اک شاخ نخل طور سے کچھ کم نہیں   تیرا ہر اک ذرہ کوہ نور سے کچھ کم نہیں
ہے مرقع یاس کا اب تیرا ہر کاخ بلند   تھا کبھی لیکن فضائے دہر میں تو ارجمند
عظمت ماضی کا تیری ذرہ ذرہ ہے گواہ   کتنی جلدی تو ہوا دست زمانہ سے تباہ
تیرا دور عیش و عشرت آجکل افسانہ ہے   تیری آبادی جہاں تھی اب وہاں ویرانہ ہے
کیا ہے تو! اک نور چشم امت مرحوم ہے   آہ اب آغوش ملت تجھ سے بھی محروم ہے

شد عدویم سنگیز از جلوۂ سینائے من
زینت افزائے کنار فیر شد سیلائے من

گول گنبد! تو ہے گویا شاہد ارباب فن!!   رشک کی آنکھوں سے تکتا ہے تجھے چرخ کہن
تاج بڑی! کیا ہے تو اک چشمۂ آب حیات   تیری اک اک بوند سے سیراب تھی یہ کائنات
کیا ترے پانی میں اب اگلی سی خاصیت نہیں   زندگی کی یا دل مسلم میں کیفیت نہیں

تجھ سے حاصل تھا کبھی ہم کو وقار زندگی
تیری ہر اک بوند پر تھا بس مدار زندگی

اے ظہوری! آہ اے پیغمبر فن سخن   تھا کبھی اس خاک پر تو بھی تو زیب انجمن،
تیرے نغمے رونق گلزار بیجاپور تھے   نغمہ سنجی سے تری ارباب دل مسرور تھے
کھلتے تھے اسرار دل نکتہ سرائی سے تری   تھے رگ و پے گرم تر شعلہ نوائی سے تری
تیری منزل آہ اب شہر خموشاں ہو گئی،   صبح عشرت اب تری شام غریباں ہو گئی
کیسے کیسے تاجور ہیں آہ پیوند زمیں!!!   سرزمین ہند اک دن جن کے تھی زیر نگیں
آرہی ہے یہ صدا اب ہر دہان گور سے   گونج اٹھتی ہے فضائے دہر جس کے شور سے

"بر مزار ما غریباں نے چراغے نے گلے
نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے"

قلعہ فولاد

ٹینک کے ایجاد کی تاریخ

از جناب سید محمود صاحب سہیل نقوی بی اے شکوہ آبادی

انسانی دماغ ہمیشہ ایجاد و اختراع کا گہوارہ رہا ہے۔ موقع و محل کی مناسبت سے جیسے جیسے اس کی ضروریات بڑھتی گئیں یہ بھی ترقی کی لیتا رہا۔ اور نئی نئی چیزیں عالم وجود میں لاتا گیا آج کل ہم اپنے گرد و پیش جو کچھ دیکھتے ہیں سب اسی قوت ایجاد کی پیداوار ہے۔ جو کارساز حقیقی نے روز ازل انسان کو ودیعت فرمائی تھی

پیدا ہونے کے بعد سب سے پہلے اپنی جان بچانے کی فکر ہوئی اس کے دو پہلو تھے۔ جارحانہ و مدافعانہ۔ اول اول تو لکڑی پتھر کے تیر و کمان برچھی بھالے بنائے گئے ان سے شکم پروری بھی ہوئی اور جان کی حفاظت بھی۔ جب وقت کے ساتھ ساتھ عقل انسانی نے ترقی کی تو ان کی بھی صورت بدلی اور خود زرہ شمشیر تبر گرز و سنان۔ نیزہ و کمند جیسے آلات حرب استعمال ہونے لگے۔ لیکن خزانہ قدرت میں ابھی بہت کچھ محفوظ تھا۔

اب زمانے نے ایک اور کروٹ لی اور دامن ہستی میں آگ لگانے کی تدبیر شروع ہوئی عقل نے جو ہر دکھائے تو روشن طبع نے بارود کی صورت اختیار کی۔ اسلحہ آتشیں ہتھیاروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ رزمگاہ و صحراں معمار ہو گئی اور زندگی پر موت منڈلانے لگی۔ راکٹ بان بندوق اور توپ سب کی نوبت آئی رہی یہاں تک کہ ۱۹۱۴ء میں عالمگیر جنگ چھڑی اور مشین گن بھی میدان میں اتری

جب جرمن پسپا ہوئے تو انہوں نے اس حربے سے مدافعت شروع کی اور اس کو خاردار تاروں سے گھیر کر اور بھی محفوظ کر لیا۔ اب ایسے فولادی قلعہ کی ضرورت محسوس ہوئی جس پر گولی اثر نہ کر سکے اور جو خاردار تاروں اور خندقوں

ایک معلومات افزا مضمون

کو عبور بھی کر سکے۔ اس سے رد عمل ممکن تھا چنانچہ اکتوبر ۱۹۱۴ء کے آغاز میں کرنل ای ڈی سوئنٹن نے حکومت برطانیہ کو رائے دی کہ محدود فوجی قوت کے ساتھ حریف پر سامنے سے حملہ کرنا محال ہے۔ اور براہ راست مدافعت پر قابو پانے کے لئے مشین گن کو بیکار کر دینا ضروری ہے

آخرکار انگلستان میں ایک مسلح فولادی گاڑی ایجاد ہوئی تیاری کے زمانے میں اخفائے راز کی غرض سے دسمبر ۱۹۱۵ء میں پہلے پہل اس کا نام "ٹینک" رکھا گیا۔ لیکن میدان میں آنے کے بعد اس کا یہی نام پڑ گیا

سب سے پہلا ٹینک جو ۹ر فروری ۱۹۱۶ء کو کل آزمائش میں کامیاب ہو کر نکلا ۲۶ فیٹ لمبا اور ۲۸ ٹن وزن تھا۔ یہ ہموار زمین پر [illegible] میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل سکتا تھا اور دس فیٹ گہری خندق پار کر سکتا تھا اس میں آٹھ آدمی بیٹھ سکتے تھے

ان سب باتوں کے باوجود اس میں ایک خامی تھی کہ اسی زمین پر چل نہیں سکتا تھا جس پر برابر بمباری کی گئی ہو۔ اس لئے یہ جنگ میں ناکام رہا

تجربات سے اس میں کچھ اور ترمیم ہوئی ڈرائیور بٹھایا گیا۔ رولر مضبوط اور چادر دبیز کر دی گئی۔ اس قسم کے ٹینک رفتار کم ہونے کے باعث پیدل فوج کی امداد میں استعمال ہوئے۔ ۲۰ نومبر ۱۹۱۷ء کی کیمبرے کے معرکہ میں چار سو ٹینکوں سے دشمن پر حملہ کیا گیا اس سے مشین گن کی برتری ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی اس وقت ان کی حیثیت ابتدائی منی اسلحہ کی تھی

لیکن ۸ اگست ۱۹۱۸ء کو برطانوی ٹینکوں نے جنگ کا رخ بدل کر حریف کی قسمت کا پانسہ ہی پلٹ دیا

فرانس میں بھی اس پر تجربات ہوئے۔ لیکن یہاں یہ ٹینک برطانوی ٹینکوں سے بہت ہلکے بنائے گئے۔ ان کا وزن دس ٹن تھا۔ اور یہ لاریوں پر لاد کر لے جا سکتے تھے۔ بعد میں اس کا وزن اور بھی کم کر دیا گیا۔ ان کی لمبائی چار فٹ ... وزن ساڑھے چھ ٹن تھا۔ خندقیں پار کرنے کے لئے ان کے پیچھے ایک دم لگی رہتی تھی اور ان میں ... گھوڑوں کی طاقت تھی

امریکہ نے بھی ہلکے اور بھاری دونوں قسم کے ٹینک بنائے۔ لیکن جرمنی نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی آخر کار ۸ اگست کی شکست نے اس کی بھی آنکھیں کھول دیں

جنگ جلد ختم ہو جانے کے سبب اس کی طرف سے بھی توجہ ہٹالی گئی۔ اس وقت دو نظریئے تھے۔ بعض کا خیال تھا کہ ٹینک صرف خندق کے معرکوں میں کام آسکتا ہے اس لئے آئندہ جنگ کی جارحانہ دفاعی دونوں میں انکو استعمال نہ کیا جائے لیکن ٹینک والی فوج کا افسر اعلیٰ کرنل جے۔ ایف۔ سی فلر اس بات پر مصر تھا کہ پیدلوں کی جگہ ٹینک استعمال کئے جائیں

۱۹۲۳ء کے بعد ٹینکوں کی ساخت میں تبدیلی ہو گئی خندقی جنگی مشینوں کی بجائے ہلکی اور تیز رفتار مشینیں تیار ہونی شروع ہو گئیں ان کا نام وکرس ٹینک رکھا گیا۔ ۱۹۲۷ء کے بعد ان کو میڈیم ٹینک کہنے لگے۔ یہ موجودہ زمانے کے بہت قیمتی مضبوط اور محفوظ ٹینک ہیں۔ ان کی لمبائی ۱۸ فیٹ وزن دس ٹن ہوا۔ زیادہ سے زیادہ رفتار اٹھائیس تیس میل فی گھنٹہ اور اوسط رفتار بیس میل فی گھنٹہ ہے۔ ان میں ایک ایسی توپ لگی ہوتی ہے جس میں ڈیڑھ سیر کا گولہ چل سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تین ہلکی مشین گنیں بھی ہوتی ہیں

۱۹۲۵ء میں میجر جی لے کیو۔ مارٹل نے نجی طور پر ایک ہلکا ٹینک بنایا۔ اس میں صرف ایک آدمی کی گنجائش تھی میجر کا اعتراض تھا کہ ہوا باز کی طرح ایک ہی آدمی ٹینک اور مشین گن چلانے کا کام کر سکتا ہے۔ لیکن بعد میں اعلیٰ افسروں کی رائے کے مطابق دو آدمیوں والا ٹینک بنایا گیا۔ ایک انگریز نے اس سے بھی چھوٹا اور سستا ٹینک تیار کیا۔ کارڈن لائڈ کی یہ مشین ۱۹۲۶ء سے تیار ہونی شروع ہوئی۔ اس وقت سے اس کی ڈیزائن میں بھی تبدیلی ہوئی اور رفتار تیس میل فی گھنٹہ کر دی گئی

۱۹۲۷ء میں اس کا نام بدل کر ... ٹینک رکھا گیا۔ گزشتہ جنگ میں بھی ٹینک کثرت سے استعمال ہوئے اور حسب ضرورت ان میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ آخر میں ایک نیا نمونہ ایجاد ہوا ہے۔ اس کا نام ٹیگر ٹینک ہے۔ اس میں موٹی اور بھاری چادر لگائی گئی ہے۔ اور بڑی طاقت کی توپیں رکھی گئی ہیں۔ جو قلعہ شکن توپیں تین سیر وزنی گولے پھینکتی ہیں وہ بھی اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتیں

ٹینک اگرچہ پیدل فوج کا صحیح قائم مقام نہیں کہا جا سکتا اور میدان پر قبضہ قائم نہیں کیا جا سکتا لیکن مشین گن کا اس سے بہتر کوئی اور توڑ بھی نہیں ہے۔ عالم ایجادات میں یہ ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ جہاں انسان کو اس کی لائی ہوئی مصیبتوں پر ماتم کرنے کا حق حاصل ہے وہاں اپنی سعی مشکور پر اظہار مسرت کرنا بھی لازم ہے

خود بخود زنجیر کی جانب کھنچا جاتا ہے دل
تھی اسی فولاد سے شاید مری زنجیر بھی

شرح بالِ جبریل

سید عبدالستار قریشی

اردو ادب (نظم) میں دو ہی کتابیں ایسی نظر آتی ہیں جن کی شرح لکھنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ایک دیوانِ غالب (اردو) اور دوسری بالِ جبریل۔ دیوانِ غالب کی متعدد شرحیں لکھی جا چکی ہیں، جن میں بعض نہایت مفید اور مکمل ہیں۔

سب سے پہلے مولانا حالی نے غالب کو پبلک سے روشناس کیا اور نہایت پُر زور الفاظ میں ثابت کیا کہ غالب ایک بلند مرتبت فلسفی شاعر تھا۔ "یادگارِ غالب" پڑھنے کے بعد یہ دیکھ کر سخت رنج ہوتا ہے کہ لوگ غالب جیسے زبردست فلسفی شاعر کا ذوق سے مقابلہ کرتے ہیں۔

"یادگار" میں مولانا حالی نے غالب کے فارسی کلام کو پیش کر کے لکھا ہے کہ انہیں اپنے فارسی کلام پر زیادہ ناز تھا حالانکہ غالب کی شہرت کا باعث اس کا اردو کلام ہی ہے۔ پھر بھی اس کتاب میں اردو کلام کے متعلق بھی کافی توجہ سے کام لیا ہے اور اکثر معرکۃ الآرا اشعار کے معنی نہایت آسان طریقے سے بیان کیے ہیں۔

حالی کے بعد غالب کے کلام پر بہتوں نے قلم اٹھایا اور ان میں سے بعضوں نے نہایت قابلِ قدر تنقیدیں کیں اور اس کے کلام کی خوبیوں اور برائیوں پر خوب روشنی ڈالی۔ مثلاً مولانا علی حیدر طباطبائی لکھنوی، ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری، نیاز فتحپوری اور عبدالباری آسی وغیرہ۔ ڈاکٹر عبداللطیف کرنولی (مقیم حیدرآباد) نے بھی غالب پر ایک رسالہ انگریزی میں لکھا ہے، جس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے غالب پر سخت نکتہ چینی کی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ غالب صفِ اول کے شعرا میں شمار ہونے کے قابل نہیں۔

شارحینِ غالب میں مولانا حیدر طباطبائی نظم، شوکت میرٹھی، مولانا حسرت موہانی وغیرہ بھی نمایاں شہرت رکھتے ہیں۔ ان سب میں مولانا سید علی حیدر طباطبائی کی شرح دیوانِ غالب سب پر فوقیت رکھتی ہے۔ ... اور عبدالباری آسی کی شرح اگرچہ مفصل ہے مگر معنوی اور فنی لحاظ سے یہ شرح بلند پایہ کی نہیں ہے۔ شوکت میرٹھی کی شرح میں بعض بعض اشعار کے سات سات معنے بیان کیے گئے ہیں اور نہایت مشکل انداز میں دادِ تحقیق دی ہے۔

بہرحال یہ تمام کوششیں مفید اور قابلِ قدر ہیں۔ ان شرحوں کو دیکھنے کے بعد غالب کی شخصیت اور اس کے فلسفیانہ کلام کی صحیح عظمت معلوم ہوتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ غالب بے شک ایک زبردست "شاعرِ حیات" تھا۔ نیز اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنی حرماں نصیبی اور زمانے کی ناقدری پر جس قدر آہ و فغاں اور زار نالیاں کی ہیں وہ کس قدر واقعی اور درست ہیں۔

غالب کی طرح اقبال بھی ایک فلسفی اور شاعرِ حیات تھا، جب اس نے اپنے فلسفۂ حیات کو پیش کرنے کے لئے اپنے کلام کو ذریعہ بنایا اور اپنے کلام کا موضوع اور مقصد مسلمانوں کو اسلام کی حقیقی روح سے آشنا کرنا قرار دے لیا تو انہیں اپنے خیالات کے اظہار کے لئے اردو کا وہ سرمایہ جو "حکایتِ گل و بلبل" پر مشتمل تھا ناکافی نظر آیا۔ مجبوراً انہوں نے بھی غالب کی طرح فارسی الفاظ و محاورات اور تراکیب و تشبیہات سے کام لیا اور اردو میں بلا تامل استعمال کرنے لگے۔

"بانگِ درا" اقبال کے اردو کلام کا پہلا مجموعہ ہے، اس میں بہ نسبت "بالِ جبریل" کے لفظی اعتبار سے فارسیت اور معنوی نظر سے فلسفہ بہت کم ہے۔

یہیں سے یہ راز کھلتا ہے کہ ایک فلسفی اور بلند خیال شاعر کے لئے سیدھی سادی اردو میں اپنے خیالات کا اظہار بہت مشکل ہے اور نری اردو فلسفیانہ تخیلات کا بوجھ سنبھال نہیں سکتی۔

"بالِ جبریل" اقبال کی دوسری کتابوں سے زیادہ دقیق اور مشکل کتاب ہے۔ اس میں فارسی الفاظ، استعارے، فارسی ترکیبیں اور تشبیہیں زیادہ ہیں، جن کا سمجھنا صرف اُردو جاننے والوں کے لئے دشوار ہے۔ اسی لئے دیوانِ غالب کی طرح اس کی بھی شرح لکھنا غالباً مفید ہوگا، پھر یوں بھی فلسفیانہ خیالات، شاعرانہ جذبات اور اسلامی نظریات کے لحاظ سے یہ کتاب سارے اردو ادب میں آپ اپنی مثال ہے۔ اس لئے اس کے مطالب کا سمجھنا سمجھانا نہایت ضروری ہے۔ اسی مقصد کے پیشِ نظر یہ سلسلہ شروع کیا جاتا ہے۔ شرح سے پہلے اس کتاب پر مختصر تبصرہ اور اقبال کے مجموعی کلام اور اس کے فلسفۂ حیات کے متعلق چند اشارے کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

شرح کے بارے میں اتنی عرض ہے کہ اشعار کے معنے متعین کرنے میں اقبال کے مجموعی کلام کے عام رجحان اور پسِ منظر اور اس کے مسلّمہ اصول و نظریات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور اس کے فلسفۂ حیات کی روح کے موافق اشعار کا مفہوم بیان کیا گیا ہے اور اس روح کے خلاف ـــ اپنی رائے سے تشریح کرنا مناسب نہ سمجھا گیا۔

"بالِ جبریل" کی اشاعت اقبال کے سفرِ یورپ سے دوبارہ واپسی کے بعد ہوئی، یورپ کی سیاحت کے دوران میں اقبال نے چند نظمیں اور غزلیں کہی تھیں، ہندوستان آنے کے بعد چند اور نظموں کے ساتھ ملا کر "بالِ جبریل" کے نام سے شائع کیا۔

اس کی اشاعت سے کچھ ہی پہلے اقبال نے جاوید نامہ شائع کیا جو ایک طرف تو اقبال کی جاودانی شہرت کا باعث رہا تو دوسری طرف ان کی جسمانی موت کا سبب بھی بنا کیونکہ جاوید نامہ تصنیف کرنے کے بعد اقبال کی صحت بُری طرح گرنے لگی اور آخر تک گرتی چلی گئی۔

اقبال نے پہلے سفرِ یورپ کے بعد اردو میں شعر کہنا چھوڑ دیا تھا۔ دوبارہ واپسی کے بعد پھر اردو کی جانب توجہ ہوئی۔ شاید انہوں نے یہ چاہا کہ اپنے بلند پایہ خیالات سے اردو دان طبقے کو محروم نہ رکھیں۔ اسی لئے انہوں نے بالِ جبریل میں اپنے سارے کلام کا نچوڑ اور مغز سمیٹ کر رکھ دیا ہے، جو شخص بالِ جبریل کو غور سے پڑھ لے وہ اقبال کے سارے کلام کے مقصد اور اس کے نصب العین سے بآسانی واقف ہو سکتا ہے۔

اقبال کے سارے کلام میں بالِ جبریل کی وہی حیثیت ہے جو قرآن کی تمام سورتوں میں سورۂ فاتحہ کی۔ اقبال نے جن اہم اور ضروری مسائل پر طبع آزمائی کی ہے اور قومی و بین الاقوامی مسئلہ کے متعلق اپنے جن نظریات کا اظہار دوسری کتابوں میں کیا ہے اور اپنے جس مخصوص فلسفۂ حیات کو پیش فرمایا ہے، ان سب کا ذکر بالِ جبریل میں آتا ہے، اور نہایت مؤثر پیرائے میں، نئے انداز سے ان کو بیان کیا ہے۔

البتہ اقبال کے کلام کی وہ شعریت اور رومانیت، جس سے "بانگِ درا" مالا مال ہے، بالِ جبریل میں حد سے زیادہ کم ہے اور وعظ و نصیحت کا جذبہ نمایاں ہے۔ مثلاً

۱۔ نہ ہو نومید نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

۲۔ غوّاصِ محبت کا اللہ نگہباں ہو ہر قطرۂ دریا میں دریا کی ہے گہرائی

۳۔ خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرتِ پرویز
خدا کی دین ہے سرمایۂ غمِ فرہاد

۴۔ کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے رموزِ قلندری میں ملے نگہ کہ فکرِ مدرسہ و خانقاہ سے آزاد

جہاں تمام ہے میراث مرد مومن کی
مرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک

بال جبریل کی زبان نہایت بلیغ اور پختہ ہے، البتہ دو ایک طویل نظموں کے سوا باقی تمام غزلوں اور نظموں کے اشعار میں غیر مانوس فارسی الفاظ، دشوار ترکیبیں اور تشبیہیں بکثرت پائی جاتی ہیں، جن میں سے چند یہاں پیش کی جاتی ہیں -

افسانۂ دنبالہ محمل، غریب الدیار، رستخیز، بیشۂ تحقیق تہی، ردائے نیلگوں، پردہ داری ہائے شوق، موعظۂ و پند، محبت خویشتن بینی، محبت خویشتن داری، دانائے سبل، فروغ وادیٔ سینا، معنیٔ و رباب، معرکۂ بیم و رجا، نالندہ، پیر صنم خانۂ اسرار، راکب تقدیر جہان،

لیکن جہاں کہیں فلسفیانہ خیالات و نظریات سے ہٹ کر سیدھے سادے مضامین کا اظہار کیا ہے یا کسی منظر کا نقشہ کھینچا ہے . وہاں اقبال نے نہایت سادگی و پرکاری سے کام لیا ہے اور بے تکلف سیدھے سادے الفاظ میں دلکش انداز سے مفہوم ادا کیا ہے اور اس حالت کا واقعی سماں پیدا کر دیا ہے -

(بہار کا منظر)

پھر چراغ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغ چمن،
پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے، اودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن
برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن

(صبح دشت)

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں
چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں
سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحاب شب
کوہ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں
گرد سے پاک ہے ہوا برگ نخیل دھل گئے
ریگ نواح کاظمہ نرم ہے مثل پرنیاں
آگ بجھی ہوئی ادھر ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

کتاب کی ابتدا میں غزلیں ہیں - جن میں سے اکثر سفر یورپ کے دوران میں فلسطین، اسپین اور لندن وغیرہ میں سپرد قلم کی گئی ہیں، ان میں بعض غزلیں اس قدر بلیغ ہیں کہ اردو میں ان کے مقابلہ کی غزلیں آج تک نہیں لکھی جا سکیں -

غزلوں کے بعد چند رباعیاں یا قطعے ہیں، جن میں معارف اور حقائق کے سمندر سمو دئے گئے ہیں - ایک ایک رباعی یا قطعہ ایک دفتر معانی کا حامل ہے -

ہر اک ذرے میں ہے شاید مکیں دل
اسی جلوت میں ہے خلوت نشیں دل
اسیر دوش و فردا ہے ولیکن !!!
غلام گردش دوراں نہیں دل،

وہ میرا رونق محفل کہاں ہے
مری بجلی، مرا حاصل کہاں ہے
مقام اس کا ہے دل کی خلوتوں میں
خدا جانے مقام دل کہاں ہے،

خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
مقام رنگ و بو کا راز پا جا
برنگ بحر ساحل آشنا رہ!
کف ساحل سے دامن کھینچتا جا

ان کے بعد کئی نظمیں ہیں، جن میں دو ایک نہایت طویل ہیں - مثلاً مسجد قرطبہ، لینن، اور ذوق و شوق وغیرہ، ذیل کی نظمیں کسی قدر مختصر مگر حقائق و معارف سے بھری ہوئی ہیں، عبدالرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا درخت، ہسپانیہ، طارق کی دعا

نظموں کا گیت، فرمانِ خدا اور ابلیس وغیرہ۔

"مسجدِ قرطبہ" قرطبہ میں لکھی گئی ہے۔ اقبال نے اس نظم میں نہایت بلند خیالات، اور اعلیٰ نظریات کا اظہار کیا ہے۔ ابتدا میں زمانے کی نیرنگیوں اور تغیرات کا ذکر ہے۔ جس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ ہر شئے جو پردۂ وجود پر جلوہ گر ہے، فانی اور مٹ جانے والی ہے۔

اول و آخر فنا باطن و ظاہر فنا
نقشِ کہن ہو کہ نو منزلِ آخر فنا

مگر اس فنا پذیر دنیا میں ایک شئے پائدار اور باقی رہنے والی بھی ہے۔ وہ ہے مظہرِ عشق و محبت۔ جس چیز کی بنیاد عشق و محبت پر رکھی گئی ہے اس کو زمانہ کی سینکڑوں، ہزاروں گردشیں بھی مٹا نہیں سکتیں۔

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام
مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فروغ
عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام
تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانہ کی رَو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

اس دعوے کے ثبوت میں مسجدِ قرطبہ کو بطورِ دلیل پیش کیا ہے کہ دیکھو اسپین میں جہاں انھوں نے سینکڑوں سال حکومت کی تھی۔ مسلمانوں کے آثار و نقوش حرفِ باطل کی طرح مٹ گئے۔ مگر مسجدِ قرطبہ ابھی تک باقی اور قائم ہے۔ کیوں کہ اس کا وجود عشق کی وجہ سے ظہور میں آیا تھا۔ مسلمانوں نے اپنے خدا کے عشق میں سرشار ہو کر اس کی بنا ڈالی تھی تاکہ اس میں خدا کی عبادت کریں اسی جذبۂ عشق کی کارفرمائی ہے کہ وہ آج تک قائم و باقی ہے۔

لیکن اور ذوق و شوق بھی اسی طرح کی طویل نظمیں ہیں ایک ساقی نامہ بھی ہے، جو جان کتاب کی حیثیت رکھتا ہے اس میں بھی ساقی سے مراد آنحضرت صلعم کی ذاتِ گرامی ہے

ساقی نامے کی زبان نہایت فصیح اور سادہ و پرکار اور اس قدر شیریں و ولآویز ہے کہ معلوم ہوتا ہے کوثر میں دھلی ہوئی ہے پھر اندازِ بیان اس قدر دلکش کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اقبال نے ساقی نامے میں گردشِ دوراں، قوموں کے انقلابات، یورپ کی تحریکوں، ایشیا کے تغیرات زمانے کے بدلتے ہوئے رنگ، اور مسلمانوں کی حالت پر نہایت دلکش تبصرہ کیا ہے، موت و حیات کی حقیقت، سکون و ثبات حرکت و عمل اور خودی وغیرہ پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اور اس قدر سہل و آسان طریقے سے سادہ و شیریں زبان اور نرم و گداز لہجے میں کہ ان حقیقت سماعت کے راستے دل و جگر میں اترتی محسوس ہوتی ہے۔

شراب کہن پھر پلا ساقیا
وہی جام گردش میں لا ساقیا
مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا
مری خاک جگنو بنا کر اڑا

مری شاخِ ملت ترے نم سے ہے
نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰ سوزِ صدیق دے

جگر سے وہی تیر پھر پار کر
تمنا کو سینوں میں بیدار کر
ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر!
زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے
مرا عشق میری نظر بخش دے
مری ناؤ گرداب سے پار کر
یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر
بتا مجھ کو اسرارِ مرگ و حیات
کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات

مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں
مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں

مرے نالۂ نیم شب کا نیاز
مری خلوت و انجمن کا گداز

امنگیں مری آرزوئیں مری
امیدیں مری جستجوئیں مری

مری فطرت آئینۂ روزگار
غزالان افکار کا مرغزار

مرا دل مری رزمگاہ حیات
گمانوں کے لشکر یقیں کا ثبات

یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لٹا دے اسے
لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کے نگہبان کو ہے زہرناب
وہ ناں جس سے جاتی رہے اس کی آب

وہی ناں ہے اس کے لئے ارجمند
رہے جس سے دنیا میں گردن بلند

فرو فال محمود سے درگذر
خودی کو نگہ رکھ ایازی نہ کر

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام
کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

اقبال کا فلسفۂ حیات

اقبال کے فلسفہ اور ان کے کلام کے موضوع و مقصد پر یہاں تفصیل سے نہیں لکھا جا سکتا۔ کیونکہ اس وقت شرح بال جبریل پر کوئی مقدمہ لکھنا مقصود نہیں۔ اگر کسی وقت حالات نے اجازت دی۔ اس شرح کو کتابی صورت میں مرتب کیا جا سکا تو شاید کلام اقبال پر کوئی مفصل مقدمہ لکھنا مناسب سمجھا جائے۔ فی الحال چند اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ہر شاعر کے کلام کا ایک خاص موضوع اور مخصوص پس منظر (Background) ہوتا ہے۔ جس کے گرد اس کا سارا کلام گھومتا رہتا ہے۔ اس کے موضوع سخن آئیڈیل، اور پس منظر کو سمجھے بغیر اس کے اشعار کی تشریح نہیں کی جا سکتی۔ اگرچہ شاعر کی غزل کا ہر شعر ایک انفرادی معنی رکھتا ہے مگر مجموعی حیثیت سے اس کے ہر شعر میں اس کے مخصوص آئیڈیل کی طرف ایک لطیف اشارہ رہتا ہے۔ جو اس وقت تک سمجھا نہیں جا سکتا جب تک مجموعی حیثیت سے اس کے سارے کلام کے مقصد کو اچھی طرح نہ سمجھ لیا جائے۔

اسی بنا پر جب تک اقبال کے کلام کا مقصد اور نصب العین ذہن نشین نہ ہو جائے۔ اس کے اشعار کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آتا لہٰذا اس کے اشعار کے معنی متعین کرنے کے لئے اس کے کلام کے مقصد اصلی کو سمجھ لینا اور ذہن نشین کر لینا نہایت ضروری ہے۔

اقبال کے کلام کا مقصد اصلی اور نصب العین احیائے اسلام اور اقامت دین ہے۔ اسلام اور اس کے نظام حیات کو دنیا میں ایک نظام حکومت و سلطنت کی صورت میں قائم کرنا ان کے پیش نظر تھا۔ اسی لئے انہوں نے مسلمانوں میں اسلام کی انفرادی (خودی) اور اجتماعی (ربط ملت یا بیخودی) روح (Pan-Islamism) پھونکنے کی کوشش کی۔ انہیں نہایت مؤثر اور مدلل انداز میں بتایا کہ مسلمان محض ایک قوم کا نام نہیں ہے۔ جس کی بنیاد نسل، خون، رنگ اور وطنیت پر قائم ہو۔ بلکہ وہ ایک بین الاقوامی اور آفاقی جماعت ہے جس کو کسی خاص سرزمین اور کسی خاص نسل سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ ایرانی رہے باقی نہ تورانی نہ افغانی۔

درویش خدامست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلی نہ صفاہاں نہ سمرقند۔

اقبال نے بتایا کہ اسلام چند بے لاگ اصولوں کا نام ہے۔ جنکو

ہر قوم اور ہر نسل کے لوگ قبول کر سکتے ہیں۔ جو لوگ اس کے اصولوں پر ایمان لا کر ان کی پابندی اختیار کر لیتے ہیں، اسلام انہیں بے تامل اپنے حلقے میں داخل کر لیتا ہے۔ بلکہ انہیں گلے لگا لیتا ہے۔ اور ان سے عہد جاہلیت کی تمام قومی، وطنی، اور نسلی آلائشیں دور کر دیتا ہے۔ بیگانہ و یگانہ، غلام و آقا اور امیر و فقیر کسی میں کوئی فرق باقی نہیں چھوڑتا۔ سارے انسانوں کو ایک ہی سلسلہ میں منسلک کر دیتا ہے۔ جہاں محمود و ایاز ایک ہی صف میں کندھے سے ملاتے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

اقبال نے مسلمانوں کے مردہ دلوں میں روح پھونکنے کی کوشش کی۔ بلکہ انہیں ان کے اعتقادی اور عملی کمزوریوں پر نہایت تلخ مگر دلکش لہجے میں ہوشیار و خبردار کیا ہے۔ ایک ایک جگہ انگلی رکھ کر بتایا ہے کہ یہاں اور اس طرح تمہارے جسم اسلامی میں زخم آ گئے ہیں جنہوں نے تمہاری روح ایمانی کو مردہ کر دیا ہے۔ اور تمہیں ایک بے جان لاشہ اور راکھ کا ڈھیر بنا دیا ہے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

اقبال کے نزدیک اسلام کی اجتماعی تباہی کا سبب مسلمانوں میں عجمی یعنی یونانی اور ایرانی فلسفہ کا نفوذ ہے۔ جونہی مسلمانوں میں عجم کے فلسفیانہ خیالات پھیلنے لگے، ان سے قوت عمل زائل ہو گئی۔ اور مسلمانوں کا عقل [illegible] ([illegible]) فلسفہ ما بعد الطبیعی اور علم کلام کی پیچیدہ بحثوں میں الجھ گیا۔ اور فروعی مسائل کے اختلاف پر آپس میں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو کر خود ہی ہلاک ہو گیا۔

اسی لئے اقبال نے تمام علوم و فنون سے سخت نفرت کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جس طرح مغربی علوم و فنون اور مغربی تہذیب و تمدن پر نکتہ چینی کی ہے اور مردود ٹھہرایا ہے اسی طرح عجمی علوم و فنون۔ ایرانی تصوف اور تمدن و تہذیب کو بھی مردود و ملعون قرار دیا ہے۔

مسلماں ہے توحید میں گرم جوش
مگر دل ابھی تک ہے زنار پوش
تمدن، تصوف، شریعت، کلام
بتان عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی۔
وہ مومن کہ تھا خدمت حق میں مرد
محبت میں یکتا حمیت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا۔

ماضی میں ہندی ویدانتی فلسفہ اور ایرانی تصوف نے مسلمانوں کی عملی قوتوں کو مفلوج کر دیا تھا۔ مگر آج مغربی تہذیب و تمدن اور مغربی فلسفہ و سائنس ان کو بے دینی کے گہرے غار میں دھکیل رہے ہیں۔ اقبال کا احساس قلب اس صورت حال پر تڑپ اٹھا۔ انہوں نے مغربی تہذیب پر تنقید شروع کی۔ اور اس کے تار و پود بکھیر کر مسلمانوں کو بتایا کہ یہ تہذیب تمہیں اسلام سے دور لے جا رہی ہے۔ اس کے قومی، وطنی، نسلی، اور معاشی تعصبات نے انسانوں کو بے شمار گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس نے جمہوریت، قومیت، وطنیت اور اشتراکیت کے روپ میں ساری دنیا میں بے دینی پھیلا دی ہے۔ اور ساری انسانیت کو موت و ہلاکت کے حوالے کر دیا ہے۔ اقبال نے اس تہذیب کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔ اور اس کی ظاہر و مخفی خرابیوں کو عیاں کر دیا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

[illegible]
[illegible] میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

شرح اٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں۔
نفس سوختۂ شام و سحر تازہ کریں۔

صبح جب نمودار ہوتی ہے تو سارا عالم بیدار ہو جاتا ہے۔ خواب شیریں کے متوالے جاگ اٹھتے ہیں۔ طلوع خورشید دنیا کے لئے پیام بیداری ہے۔

"خورشید کے سامان سفر" سے مراد پیام بیداری ہے۔ کہتا ہے کہ ہم تھوس اٹھو اور میرے ساتھ ہو تاکہ ساری دنیا کو بیداری کا پیام سنائیں اور انسانوں کو خواب غفلت سے جگائیں۔ جس طرح آفتاب سارے عالم اور اہل عالم کو نیند سے ہشیار کرتا ہے۔

نفس: سانس۔ دم، پھونک، سوختہ: جلا ہوا، گرم۔ نفس سوختہ: دم گرم۔ دم مسیح۔ دم حیات بخش۔ مراد کلام شاعر نفس سوختۂ شام و سحر سے مراد شاعر کا وہ کلام جس سے صبح و شام مردہ نفسوں کو زندہ کیا جائے۔

اپنے ہمنوا سے کہتا ہے۔ ہم اپنے کلام کو جس سے ہمیشہ حیات بخشی کا کام لے تے تھے آ۔ لے پھر مسیحا نفسی کے لئے تازہ دم کر لیں اور اس شعلہ نوائی سے قوم و ملک کو بیدار کرنے کی کوشش شروع کریں۔

اس شعر کو کتاب میں سرعنوان لکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ بال جبریل کی تصنیف سے اقبال کا کیا مقصد تھا۔

۲ پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر۔

یہ شعر ہندی کے مشہور شاعر بھرتری ہری کا ہے۔ جس کو اقبال نے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔

ہیرا اپنی اصلیت کے لحاظ سے پتھر ہونے کے باوجود پھول کی نازک سی پتی سے کاٹا جا سکتا ہے۔ مگر ناداں آدمی پر شیریں و ملائم باتیں اور نرم و دلاویز اشعار کچھ بھی اثر نہیں کرتے۔ حالانکہ انسان بلحاظ اپنی اصل کے ایک اثر پذیر ذی عقل مخلوق ہے۔ جو ایک ذرا سی بات پر بے انتہا متاثر ہوتا ہے اور ہونا چاہیئے۔ لیکن نادانی اور حماقت اس کی فطرت کو مسخ کر دیتی ہے۔ اور بے حس و بے عقل بنا کر اس کے جذبۂ اثر پذیری کو زائل کر دیتی ہے۔ جس سے انسان اپنی انسانیت کھو کر جمادات و نباتات میں داخل ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم کی اس آیت میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

لہم قلوب لا یفقہون بہا . . . اولئک کالانعام بل ہم اضل۔

غزل نمبر ۱

۱۔ میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں
غلغلہ ہائے الاماں بتکدۂ صفات میں۔

حریم ذات: بارگاہ خداوندی۔ غلغلہ: پُر شور آوازیں۔ الاماں: پناہ۔ بتکدۂ صفات: صفات کا بت خانہ۔ مراد دنیا۔

کہتا ہے۔ میری نوائے شوق سے، میری آہ و فریاد عشق یعنی میرے کلام سے بارگاہ ایزدی میں شور برپا ہو گیا ہے۔ اور دنیا میں جو اس کے صفات و تجلیات کا مظہر اور جلوہ گاہ ہے۔ "الاماں والحفیظ" کے غلغلے بلند ہوئے ہیں۔

۲۔ حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تخیلات میں
میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں۔

تخیلات: خیالات (Theories)۔ تجلیات: جلوے۔ اسیر: قیدی۔ مراد۔ مرعوب و متاثر۔ حور و فرشتہ مراد عالم علوی۔

کہتا ہے۔ میرے خیالات اس قدر بلند ہیں کہ ان کی بلندی دیکھکر حور و فرشتہ بھی مرعوب و متاثر ہیں۔ یعنی میرے خیالات و نظریات سے نہ صرف دنیا متاثر ہے بلکہ عالم علوی بھی متاثر ہے۔ اور ملاء اعلی بھی میرے خیالات میں اسیر و گرفتار ہے۔

میری نگاہ اس قدر تیز اور دوررس ہے کہ اس کی تیزی سے تیری تجلیات میں خلل پڑ جاتا ہے۔ یعنی انسان کی عقل اپنے تعقل و تفکر کے زور سے کبھی کبھی بظاہر قدرت کے نظام عمل اور نوامیس فطرت میں ترمیم کرتی معلوم ہوتی ہے۔

۳۔ گرچہ ہے میری جستجو دیر و حرم کی نقشبند
میری فغاں سے رستخیز کعبہ و سومنات میں۔

جستجو: تلاش۔ دیر: مندر۔ حرم: کعبتہ اللہ۔ نقشبند: نقش بنانے والا۔ تعمیر کرنیوالا۔ تصویر بنانے والا۔ فغاں: آہ و فریاد۔ رستخیز: قیامت۔ مراد تزلزل اور انتشار و برہمی۔ سومنات: ہندوستان کا مشہور

بت خانہ جسکو سلطان محمود غزنوی نے توڑا تھا ۔ مشہور ہے کہ شیخ سعدی شیرازی اس مندر میں کچھ مدت پجاری رہے تھے ۔ یہاں کعبہ و سومنات دونوں سے مراد ہندو مسلمانوں کے بظاہر تقدس مآب معصوم یا شیخ و برہمن اور ان کے مخصوص عقائد ہیں ۔

کہتا ہے ۔ اگر کبھی تو میری نگاہ یعنی مذہب کی تعمیر کرتی ہے یعنی میں بھی اصلاح مذہب ہی میں فلاح انسانیت سمجھتا ہوں ۔ اور میں بھی جب کبھی انسانی بہبودی کے پیش نظر غور کرتا ہوں تو بغیر اگر مذہب کے اصول انسانی فلاح کے ضامن معلوم ہوتے ہیں ۔ مگر میری آہ و فریاد یعنی میرے کلام اور میرے اصلاحی پیام سے خود اہل مذہب (شیخ و برہمن) میں ایک اضطراب اور قیامت برپا ہے اور مذہب کے ٹھیکیدار اس میں اپنی تباہی و ہلاکت کے آثار دیکھکر بے قرار ہو رہے ہیں ۔

٤ ۔ گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دل وجود

گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں

توہمات : فضول و بے سرو پا خیالات ۔

موجودہ عالم کائنات جو اصل حقیقت کی پردہ دار ہے ۔ اور حقیقت اصلیہ کے چہرے پر ایک نقاب ہے ۔

کہتا ہے میری نگاہ کبھی کائنات کے پردے کو چاک کرکے اصل حقیقت کا مشاہدہ کرتی ہے اور کبھی اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ خود بیہودہ بے سرو پا خیالات میں الجھ کر رہ جاتی ہے ۔ شیخ سعدی کا ایک شعر اسی مفہوم کا ہے ۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم

گہے بر پشت پائے خود نہ بینم ۔

تو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو فاش کر دیا ۔

میں ہی تو ایک راز تھا سینۂ کائنات میں ۔

فاش کر دینا : ظاہر کر دینا ۔

کہتا ہے ۔ اے پروردگار عالم تو نے یہ کیا غضب کر دیا کہ میری (انسان) حقیقت (نیابت الٰہی) ظاہر کر دی اور سب کو معلوم ہو گیا کہ میں کون ہوں ، حالانکہ میری ہی ذات ایک ایسی چیز تھی کہ اسے پوشیدہ رکھنا چاہئے تھا اور ساری کائنات میں میں ہی حقیقی راز چھپانے کے لائق تھا ۔

(باقی آئندہ)

غزل

(از حضرت قاضی مِنا اردنی)

گر یہ ظلم پر کسی کا مسکرانا تا بکے
طاقت برداشت کو یوں آزمانا تا بکے ۔

بجلیوں پہ بجلیاں دل پر گراتا تا بکے
حسن والو! یہ جوانی کا زمانا تا بکے ۔

دور ساحل ، ناخدا حیران طوفاں جوش پر
بچ سکے گا غرق ہونے سے سفینا تا بکے ۔

ہر قدم پر تیز انگاروں کا فرش لالہ زار ،
دیکھئے یوں آزمائیگا زمانا تا بکے ۔

یہ ادا و ناز یہ غمزے یہ انداز نظر
چند روزہ ہے رہیگا یہ خزانا تا بکے ۔

سوز غم سے بہتے دریا سوکھ جاتے ہیں تو پھر
دیدۂ تر تیرا یہ آنسو بہانا تا بکے ۔

یہ کسی کے کام آئی ہے نہ آئے گی کبھی ۔
بے وفا دنیا سے قاضی دل لگانا تا بکے ۔

غزل

از ڈاکٹر خان وحشی اکبرآبادی

نیاز و ناز میں پہلے تو امتیاز کرے
نگاہِ ناز اگر چاہتی ہے ناز کرے

میں دل سے کہتا ہوں ہستی پہ اپنی ناز کرے
کسی کا ناز ہے کیوں خم سرِ نیاز کرے

نقابِ حسن اُدھر پردۂ جنون ہے ادھر
نیاز و ناز میں اب کوئی امتیاز کرے

ابھی ہیں دامنِ ہستی کی دھجیاں باقی
ابھی کچھ اور جنون سلسلہ دراز کرے

کسی کا ناز مجسّم ہے میری ہستی میں
حرم کو چاہیئے اب احترامِ ناز کرے

کہاں نہیں ترے جلوے کہاں نہیں کعبہ
کہاں کہاں نہ کوئی سجدۂ نیاز کرے

وہ دل میں کھو گئے دل ہے نگاہ میں انکی
بتاؤ کون کسے سجدۂ نیاز کرے

مری نگاہ کو دیکھے کہ اپنے جلوؤں کو
وہ اپنے آپ بھی حیران ہے کس پہ ناز کرے

دیا ہے جس نے ازل میں مجھے جنوں وحشی
مرے نصیب سے اُن کو جنوں نواز کرے

تنقید و تبصرہ

دھڑکنیں

دھڑکنیں۔ مصنفہ جناب حفیظ ایگانوی۔ ناشر مطبع الوالاعمرنی الہ آباد۔ صفحات ۲۶۔ قیمت ۱۲ ار

ایک زمانہ تھا کہ لوگ طویل ناول پڑھنے کے شوقین اور عادی تھے مگر اب زندگی کی بے حد و حساب کشاکشوں سے اتنی فرصت کہاں کہ طول و طویل ناول پڑھنے کے لئے وقت نکالا جا سکے۔ اس لئے لوگوں کا میلان زیادہ تر افسانوں کی طرف ہوگیا ہے۔ ضرورت تھی کہ ان حالات کے پیش نظر مختصر ناول لکھے جاتے۔ اس ضرورت کو حفیظ صاحب نے بھی محسوس کیا۔ دھڑکنیں بھی انھیں کا وشوں کا پہلا نتیجہ ہے۔

یہ مختصر ناول نہایت دلگداز ہے۔ انداز بیان دلکش، زبان سلجھی ہوئی اور متین ہے۔ موجودہ عریاں نگاری اور فحش نگاری کی لعنت سے بڑی مدتک محفوظ ہے۔ بعض جگہ جذبات نگاری کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ حفیظ صاحب داد کے مستحق ہیں

دولت و ثروت انسان کو اندھا بنا دیتی ہے۔ اس میں بوالہوسی اور رنگینی پیدا کر دیتی ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ زر کے زور پر سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن بعض اوقات قدرت ایسا کرشمہ دکھاتی ہے کہ عین وقت پر وہ مغرور حسرت اور بے بسی کی موت مر جاتا ہے۔ ملک کی موجودہ سوسائٹی اس صورت حال کا بہترین نمونہ ہے۔ حفیظ صاحب نے نہایت دلگداز انداز میں اس کی تصویر کھینچی ہے۔ جس پر وہ تحسین اور مبارک مستحق ہیں اور چونکہ یہ ان کا نقش اولین ہے۔ اس لئے آئندہ ان سے اس سے بہتر امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

ماہنامہ تعمیر بھوپال

ماہنامہ تعمیر بھوپال آج سے چھ سال پہلے ۱۹۴۰ء میں حضرت مولانا محمد تقی صدیقی لکھنوی مدظلہ کی زیر نگرانی ایک سہ روزہ اخبار "تعمیر" بھوپال سے جاری ہوا تھا لیکن جنگ کی آفات کی وجہ سے چند ماہ بعد بند ہوگیا۔ اب چھ سال بعد مولانائے موصوف کے صاحبزادے برادرم جناب حامد حسین صدیقی بی اے جامعہ کی ادارت میں ماہنامہ کی صورت میں جاری ہوا ہے۔

"تعمیر" کا پہلا شمارہ ہمارے پیش نظر ہے۔ لکھائی اور چھپائی نہایت اعلیٰ ہے۔ کاغذ سفید اور پاکیزہ ہے۔ بلند پایہ مضامین نظم و نثر سے مملو ہے۔ ملک کے منتخب شعرا اور بہترین اردو اہل قلم حضرات کے رشحات فکر و قلم پیش کئے گئے ہیں۔

ترتیب مضامین میں ایک خاص جدت کی گئی ہے۔ اگرچہ اسے بعض اور رسائل نے بھی اختیار کیا ہے، مگر اس کا رواج ابھی عام نہیں ہوا ہے۔ مضامین کے دو حصے کر دئے ہیں ایک حصہ نظم کا اور دوسرا نثر کا۔ حصہ نظم کو مقدم رکھا ہے۔ اور تمام غزلوں اور نظموں کو پہلے یکجا شائع کیا ہے۔ غرضکہ "تعمیر" ظاہری اور باطنی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ بلحاظ زبان اور معیار مضامین کے ادبی رسائل کی صف اول میں جگہ پانے کا مستحق ہے۔ مدیر کی فطری صلاحیت اور ذوق صحیح کا اس پہلے شمارے ہی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ امید ہے کہ "تعمیر" خوب ترقی کریگا۔ اور اس نقش اول میں نئی نئی رنگ آمیزیاں اور گلکاریاں کی جائیں گی۔ قیمت سالانہ پانچ روپے فی پرچہ آٹھ آنے ہے۔

ملنے کا پتہ یہ ہے:-

دار الاشاعت تعمیر ادب علوی برقی پریس بھوپال سی آئی

ماہنامہ الاسلام بنگلور

ماہنامہ الاسلام بنگلور یہ ماہنامہ بنگلور سے حال ہی میں جاری ہوا ہے۔ اس کا چوتھا نمبر پیش نظر ہے۔ رسالے کا مقصد دینی اصول اور اسلامی اخلاق کی اشاعت اور پرچار ہے۔ مضامین اور زبان کے لحاظ سے نہایت آسان اور عام فہم ہے۔ اس قسم کی کوششیں اس زمانہ میں نہایت ضروری اور مفید ہیں۔ ترتیب مضامین کا کوئی خاص لحاظ نہیں رکھا گیا ہے۔ فہرست مضامین بھی درج نہیں ہے اور جا بجا زبان اور محاورات کی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ کم از کم فہرست مضامین میں تو درج کرنا نہایت ضروری ہے

بہرحال یہ سعیٔ نیک قابل ستائش اور مستحق تحسین ہے۔

ملنے کا پتہ

دفتر ماہنامہ الاسلام لال باغ روڈ بنگلور سٹی

ہڈی اور سینگ

کی مشہور تجارت گاہ

مدراس کی مشہور دوکان

کل صوبہ مدراس میں صرف ہماری دکان ہی ایک ایسی دکان ہے جہاں سے مختلف قسم کی ہڈی اور سینگ سارے ہندوستان میں بھیجی جاتی ہے۔ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بیرون لندن وغیرہ بھی سپلائی کی جاتی ہے۔

لندن اور کلکتہ کی کمپنیوں سے خاص تجارتی تعلقات ہیں۔ ہماری یہ عالمگیر تجارت چالیس برس سے جاری ہے، دیانتداری، صداقت شعاری اور حسن معاملگی میں ہر جگہ مشہور ہے۔

ہمارے ہاں ہڈی کی ہر قسم کی کھاد (گوبری) اور مکسچر بنائے جاتے ہیں اور اس ہنر میں ہمیں خاص مہارت حاصل ہے

ضرورتمند حضرات اور تجارتی کمپنیاں طلب کریں۔

پتہ

سید حسین . یونس مرچنٹ (ہڈی فروش)

مدراس

سوداگر بیڑی

علاقۂ آندھرا کی مشہور و معروف بیڑی

سوداگر بیڑی نہایت خوش ذائقہ اور فرحت افزا بیڑی ہے۔ جس کو ہر طبقے کے لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اور سرور و کیف اٹھاتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے بہترین خوشبودار تمباکو اور نفیس و ملائم پتے سے بنائی جاتی ہے۔

ایک مرتبہ استعمال کر کے دیکھئے پھر آپ کو عمر بھر دوسری بیڑی کی خواہش ہی نہ ہوگی حتیٰ کہ سگریٹ سے بھی بے نیاز کر دیگی۔ ضرور استعمال کیجئے اور لطف اٹھائیے۔

ہمارے کارخانہ میں بیڑی سازی کے علاوہ تمباکو اور پتے کی تجارت بھی کی جاتی ہے۔ نہایت اعلیٰ درجہ کا خوش ذائقہ اور تلخ تمباکو اور بہترین پتہ ہمیشہ فروخت ہوتا ہے۔

ضرورتمند حضرات طلب کریں۔

پتہ

یس میاں صاحب میاں مالک سوداگر بیڑی فیکٹری

نندیال ضلع کرنول

ایڈیٹر سید عبدالستار پبلشر ایم. عبدالحفیظ نے کاتب عبدالعزیز کے برقی کو فخر پریس مسکر بنگلور میں طبع کرا کے شائع کیا۔

قواعد وضوابط

۱۔ ہر انگریزی مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوا کریگا۔

۲۔ اہلِ قلم حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مضامین ہر مہینے کی ۵ تاریخ تک روانہ کردیں۔

۳۔ مضامین صاف اور شستہ تحریر ہوں اور صفحے کی ایک جانب لکھے جائیں۔

۴۔ وہی مضمون پرچہ میں شائع ہو سکتا ہے جو معیارِ اخلاق و ادب سے گرا ہوا نہ ہو۔

۵۔ دل آزار اور فرقہ وارانہ مضامین شائع نہ کئے جائیں گے۔

۶۔ نمونے کا پرچہ مفت نہیں بلکہ آٹھ آنے کے ٹکٹ آنے پر بھیجا جائیگا۔

۷۔ جواب کے لئے جوابی خط یا ٹکٹ کا آنا ضروری ہے۔

خط وکتابت و ترسیل زر کا پتہ

ایڈیٹر رسالہ "آفاق" نندیال ضلع نندیال